تذکرۃ العلماء والمشائخ

جس میں لاہور کے قریباً سوا سو علمائے کرام اور مشائخ عظام کا ذکر ہے۔ جو پانچ صدی ہجری یعنی عہد دولت غزنویہ سے لیکر پندرہویں صدی کے اواخر تک لاہور کو اپنی علمی مجلسوں اور برکتوں کیوجہ سے فخر البلاد بنا رہے تھے۔ انہی بزرگوں نے لاہور میں بھی وہ لوگ پیدا کئے۔ جو علمی و صوفیانہ حلقوں میں سخی داتا اور بایزید ثانی کہلا کر اشاعت علم دین اور ترویج علوم رسمیہ کیلئے درسگاہیں جاری کئے۔ تعلیم و تعلم کی ان درسگاہوں سے پھر بڑے بڑے علماء فلسفی منطقی فقیہہ محدث شاعر و خریت نواز وجیہ گو اہل علم پیدا ہوئے۔ کتاب کے آخر میں چند ایسے علماء جو عورتوں کے علم و فضل کا بھی تذکرہ ہے۔ جنکی علمی مجلسوں نے لاہور میں علم دین اور ادب شاعری کے چرچا مدتوں قائم رکھا ہے۔

مرتبہ

محمد الدین فوق ایڈیٹر اخبار کشمیری لاہور

سنہ ۱۳۳۸ھ مطابق سنہ ۱۹۲۰ء میں

مدار محمدی سٹیم پریس لاہور میں باہتمام شیخ گلزار محمد پرنٹر چھپا

قیمت فی جلد ۔ بار اول

C7
F2814

پیشکش

میں اپنی اس ناچیز تصنیف کو لاہور کے خاندان چشتیہ کے نامور علم دوست اور پنجاب سے مشہور اہل قلم جناب مولوی محترم علی صاحب چشتی وکیل لاہور کی خدمت میں نہایت ادب و خلوص کے ساتھ نذر کرتا ہوں ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

۴ مارچ سنہ ۱۹۲۰ء

محمد الدین فوق

فہرست مطبوعہ تصنیفات ایڈیٹر اخبار کشمیری لاہور

سوانحعمری تاریخی کتب سفرنامے

سوانحعمری ابوذر و سلمان ۶ر
تاریخ حسین کے حالات ۴ر
فتح خان ۲ر
راجہ بیربر ۳ر
راجہ ٹوڈرمل ۴ر
تذکرہ خواتین دکن ۸ر
تذکرۃ الصلحاء والمشائخ ۱۰ر
حالات نواب دبیر الدولہ ۶ر
تذکرہ حضرت داتا گنج بخش ۱۰ر
حالات پیارہ کے حالات ۴ر
حیات فرشتہ ۳ر
تاریخ جہانگیر و جہانگیر ۱۲ر
حالات مہاراجہ رنجیت سنگھ
حالات مولانا روم
حالات شمس تبریز
تذکرہ سلطان زین العابدین بڈشاہ کشمیر
مکمل تاریخ کشمیر حصہ اول و دوم و سوم
شاہ ہمدان کشمیر
رہنمائے کشمیر
تمدن کشمیر
اعانۃ مہاتما بدھ
تاریخ ریاست پونچھ و تحقیقات طلسم کاہ
شالامار باغ لاہور
اقتباسات سیل گنڈہ سرمہاراجہ
رنجیت سنگھ بہادر
والیان ریاست پونچھ کی سوانحعمری
ناول عصمت آزاد ۱۰ر ناکام ۱۲ر
۱۲ر شہر آفت ۱۲ر عبرت غم ۱۲ر
ہمدرد ۸ر گوہر ۸ر مقناطیس ۸ر
خطرہ جان ۸ر اکہرا ۸ر تاریخی ۸ر
عصر رام کہانی ۷ر

اخلاق و تصوف

تذکرہ صالحین اہل اسلام ۱۲ر
تاریخ شقی و مخلص ۸ر
امتحان ۸ر زندگی ۸ر
یادگار ۸ر

نظم و شاعری

۸ر
۸ر
۸ر
۸ر

المشتہر:- کشمیری ایجنسی حلقہ نمبر ۲۲ لاہور

تذکرۂ علمائے لاہور

دیباچہ

تصنیف کا خیال کس طرح ہوا؟ میں جولائی ۱۹۱۹ء میں ڈھاکہ (بنگال) میں تھا۔ جہاں عالیجناب خان بہادر خواجہ محمد اعظم صاحب رئیس اعظم اور حکیم محمد حبیب الرحمٰن صاحب کی توجہات و دوست پروری کے طفیل کیف آور سرور بخش۔ کہ دنیا و مافیہا تو نہیں البتہ افکار لاہور لوح دل سے محو ہو گئے۔ حکیم صاحب کے پاس علمی ذخائر قلمی و مطبوعہ لاتعداد موجود ہیں۔ خان بہادر صاحب بھی ایک علم دوست رئیس ہیں۔ اس لئے میں نے قیام ڈھاکہ کے تین ہفتے مشاغل تفریح سے زیادہ مطالعہ کتب میں بسر کئے۔ مآثر الامراء اور بعض اور کتب میں لاہور اور اہل لاہور کے اکثر تاریخی حالات نظر آئے۔ حکیم صاحب نے ایک کتاب حجۃ المرجان نام دکھائی جس میں بعض علمائے لاہور کا ذکر تھا۔ اسی جگہ تاریخ لاہور اور تاریخ علمائے لاہور لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ تاریخ لاہور تو خدا جانے کب شروع اور کب ختم ہو۔ کیونکہ اس کے لئے تفکرات لاہور سے طویل فرصت کی ضرورت ہے۔ "علمائے لاہور" کے حالات میں نے ڈھاکہ ہی میں شروع کر دیئے۔ واپسی پر ایک ہفتہ تک کلکتہ میں قیام رہا۔ کچھ حالات وہاں لکھے اور زیادہ حصہ (جب کبھی فرصت ملی) لاہور میں ترتیب دیا۔

۱۹۲۰ء میں میں نے ایک کتاب "یادِ رفتگان" کے نام سے لکھی تھی جس میں اُن بزرگان دین و صوفیائے کرام کے حالات درج تھے جنہوں نے اپنے حسن علم و عمل اور خلق محمدی سے اشاعت اسلام کو مدد دی۔ یہ وہ لوگ تھے جو حقیقتاً مبلغین اسلام تھے جنہوں نے آنحضرت صلعم کے اُسوۂ حسنہ کا نمونہ دکھا کر زبان حال سے ہر نامسلمان کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ اور جن کی دعوت اکثر قبول کی جاتی تھی۔ "یادِ رفتگان" تین مرتبہ چھپ کر قبول عام ہو چکی ہے۔

اس تذکرہ کا مقصد کیا ہے؟ اب میں نے لاہور کے علمائے اسلام کا تذکرہ لکھا ہے۔ اس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ گذشتہ زمانہ میں علمائے اسلام نے ترویج علوم اور اشاعت تعلیم میں کبھی کچھ جانفشانیاں کی ہیں اور یہ کہ لاہور از منہ سابقہ میں کس طرح علم کا گہوارہ رہا ہے۔ اور اسکی رسگاہوں سے کیسے کیسے لوگ

باکمال ہوکر نکلے۔ اور اس خطۂ پاک میں کیسے کیسے صاحبانِ علم و فضل ہو گزرے تھے۔ جو لاہور کو دارالسرور بنا رہے تھے۔ علم و فضل کی وہ قدر تھی۔ اور حسنِ عمل کی کیفیت تھی۔ کہ بادشاہ خود عالموں سے ملاقات کرنے آتے تھے۔ ان کو بلواتے تھے۔ تو ان کی عزت کرتے تھے۔ اور علماء بھی ایسے بیدار نفس اور بے غرض تھے۔ کہ اس عزت پر اتراتے نہیں تھے۔ بلکہ کہتے تھے۔ اب ہمیں آئندہ تکلیف نہ دیا کرو۔

بعض علماء اور معلمین کو ترویج علوم کے لئے خزانۂ شاہی سے وظائف ملتے تھے جو مددِ معاش کہلاتے تھے۔ ان کے عوض وہ لاہور ہی میں بیٹھ کر فارغ البالی کے ساتھ بغیر کسی معاوضہ یا اُجرت کے مشغول درس و تدریس رہتے تھے۔ علاوہ علماء و معلمین کے طلباء اور متعلمین کے مصارف ذاتی و تعلیمی کے لئے اوقاف مقرر کئے جاتے تھے۔ یہی وہ باتیں تھیں جنہوں نے شاہانِ اسلام کے زمانہ میں تعلیم کو ہمیشہ مفت اور عام رکھا۔

بعض ایسے علماء بھی تھے جن کو کسی اعانت کی ضرورت نہ تھی۔ یا تو وہ فارغ البال تھے یا امداد کی پروا ہی نہ کرتے تھے۔ اور اشاعتِ علم کو کارِ خیر سمجھ کر اپنی زندگی کا معقول حصہ عام لوگوں کی تعلیم و خیر رسانی پر صرف کرتے تھے۔ تم کو ان علمائے لاہور میں بعض امامانِ مساجد بھی نظر آئینگے۔ وہ امام آجکل کے اماموں کیطرح نہ تھے۔ کہ تسبیح کے امام کیطرح کسی شمار ہی میں نہ ہوتے۔ بلکہ وہ صاحبانِ درس ہی تھے۔ اور ان کا درس آجکل کے بعض اماموں کی طرح صرف قرآن شریف (بمعنی طوطے کیطرح) اور چھوٹے بچوں کو سیپارے اور قاعدے پڑھانے تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ وہ حدیث۔ فقہ اور منطق و معقول کی تعلیم دیتے تھے۔ اور ان کا شمار شہر کے نامی علماء میں ہوتا تھا۔ اور وہ علوم و فنون کی ترقی اور افرادِ قوم کی تعلیم و تہذیب پر اپنی علمی و عملی زندگی کا بہت بڑا اثر ڈالتے تھے۔

لاہور کی علمی ترقی دہلی پر مقدم ہے

سلطان سبکتگین سے لیکر احمد شاہ درانی تک جسقدر مسلمان بادشاہ ہوئے انہی دہلی و ہند کی تسخیر کی ہے۔ سب کو لاہور و پنجاب ہی کے رستے یہ ہفت منزل طے کرنی پڑی ہیں۔ جوں جوں اسلامی فتوحات ہوتی تھیں۔ اعیانِ اسلام (صوفیاء و علماء) ہر حصۂ ملک میں پھیل جاتے اور اپنے فرائض کو بجا لاتے تھے۔ سلطان مسعود غزنوی کے زمانہ میں حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رح لاہور تشریف لائے۔ ان سے پہلے بھی بعض بزرگ لاہور میں موجود تھے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں یا اس کے کچھ بعد لاہور میں علماء و صوفیا کی وہ اہمیت و شہرت و کثرت تھی۔ کہ ان کے حالات میں ایک کتاب "تحفۃ الواصلین" لکھی گئی جس کا اب نام ہی نام کتابوں میں رہ گیا ہے۔ اصل کتاب کہیں نہیں ملتی۔

لاہور اکثر اسلامی حکومتوں کا دارالخلافہ رہا ہے۔ اور پنجاب کا دارالسلطنت تو ہر زمانہ میں چلا آیا ہے۔

اسلئے مرکزی حکومت ہونیکی وجہ سے یہاں علماء و فضلاء اور ہر فن کے صاحب کمال اکثر جمع رہتے تھے۔ دہلی پر مسلمانوں کی حکومت پنجاب کے بہت عرصہ بعد مستقل طور پر قائم ہوئی ہے۔ اور باقی حصص ملک پر قبضہ بھی اسکے بعد اسلئے لاہور کی علمی ترقی نہ صرف دہلی بلکہ سارے ہندوستان کی علمی ترقی پر مقدم ہے چنانچہ مولانا ابوالحسنات ندوی نے اپنے ایک طویل مضمون ہندوستان کی گذشتہ اسلامی درسگاہوں میں بھی لاہور کی اولیت کا اعتراف کیا ہے۔ اور لکھا ہے "لاہور کی علمی ترقی دہلی پر مقدم ہے۔ لیکن کچھ دنوں کے لئے دہلی کے مقابلہ میں اس کا چراغ ٹمٹماتا رہا۔ آخر میں اس کو پھر ایک مرتبہ فروغ حاصل ہوا جس کا سبب کمال الدین کشمیری جمال الدین تلہ مفتی عبدالسلام اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی جیسے نامور علماء کی ذات ہے۔ ان بزرگوں کے فیض سے ہزاروں تشنگان علم سیراب ہوئے"۔

لاہور کی گذشتہ اسلامی تعلیم گاہیں

تذکرہ علمائے لاہور میں جن عالموں کا ذکر ہے تقریباً ہر ایک صاحب درس گذرا ہے اس لحاظ سے لاہور کی گذشتہ اسلامی تعلیم گاہیں ایک ہی زمانہ اور ایک ہی وقت میں کئی کئی اکثر علماء ہم عہد اور ہمعصر گذرے ہیں) کافی تعداد تک پہنچ جاتی تھیں مگر بعض درسگاہیں خاص طور پر مشہور تھیں مثلاً درسگاہ ملا شاہ خواجہ شاہجہانی (جن کا ذکر اس کتاب میں درج ہے) جہاں نواب سعداللہ خان چیف منسٹر شاہجہان بادشاہ ابتداء میں پڑھتے رہے ہیں درس مولانا اسمٰعیل عرف میاں وڈا (جن کے فیضان عام کا چراغ ابھی تک روشن ہے گو ٹمٹما رہا ہے)

سکھوں کے زمانہ میں اسلامی درس گاہیں

زوال سلطنت مغلیہ کے ساتھ ہی ملک میں بدامنی و بے چینی پھیل گئی تھی۔ اس لئے وہ درس گاہیں تو جاری نہ رہ سکیں جو حکومت کے دامن دولت سے وابستہ تھیں البتہ بعض علمائے دین نے اس کشمکش و بے اطمینانی کے زمانہ میں بھی سلسلۂ درس و تدریس جاری

سلہ استاد مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی و حضرت مجدد الف ثانی رحمہ و نواب سعداللہ خان شاہجہانی رحمہ ان سب کے حالات اس کتاب میں مندرج ہیں۔

شلہ ملا شاہ خواجہ کے حالات تذکرہ ہیں درج ہیں جس مسجد میں ان کا مدرسہ تھا۔ وہ دہلی دروازہ کے اندر تھی۔ چنانچہ صاحب سیر المتاخرین نے بھی ذکر کیا ہے۔ کہ جب شاہجہان بادشاہ سے ملنے گیا۔ تو دہلی دروازہ کے راستے گیا۔ جہاں ملا شاہ خواجہ کا مکان بھی تھا۔ تحقیقات چشتی میں لکھا ہے۔ یہ مسجد متصل مسجد نواب وزیر خان تھی۔ راقم الحروف دہلی دروازہ کے اندر قریب میر سیال ہنگ دہلی دروازہ کے اندر ایک وسیع احاطہ شاہجہانی طرز کی ایک مسجد و عمارت کے کچھ آثار موجود ہیں اور یہاں سے مسجد وزیر خان بھی نزدیک ہی ہے ممکن ہے یہی مسجد ہو جس میں نواب سعداللہ خان پڑھتے تھے۔ اور اب جس کا یہ عبرتناک انجام نظر آرہا ہے آہ! علماء و مصنفین کی بستی یہ چمڑیوں کا محلہ کہلاتی ہے۔ فاعتبروا یا اولوالابصار۔

رکھا چنانچہ جب اس زوالِ سلطنت کے بعد سکھوں کا زمانہ آیا۔ تو ان کو تعلیم سے کوئی رغبت ہی نہ تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ خود بھی تعلیم تھا صرف بعض علماء کے مدارس جاری تھے۔ جہاں ہندو مسلمان بلا تفریق مذہب و ملت عربی فارسی کی تعلیم پاتے تھے۔ سرکار سے کوئی خاص مدد ترویج علوم و فنون کیلئے ایسی نہ ملتی تھی جس سے اہل علم کی حوصلہ افزائی ہوتی۔ اس زمانہ میں لاہور میں سب سے بڑا مدرسہ خلیفہ غلام رسول و خلیفہ غلام اللہ کا تھا۔ دوسرا مولوی جان محمد کا مسجد نوالیان والا (واقعہ کشمیری بازار) میں تیسرا مدرسہ مسجد خراسیاں میں تھا۔ چوتھا مدرسہ فقیر عزیز الدین و نور الدین صاحبان کی طرف سے فی سبیل اللہ جاری تھا۔ یہ مدرسہ کوچہ آستانہ شریف واقعہ بازار حکیماں لاہور میں ایک عرصہ تک ہندو مسلمانوں کو فیضانِ عام پہنچاتا رہا ہے۔ اس نامور خاندان میں خان بہادر فقیر سید شمس الدین[1] نہایت عالم و فاضل بزرگ گذرے ہیں ان کے علاوہ کچھ اور تعلیم گاہیں بھی تھیں لیکن سب سے زیادہ انہی چاروں کی شہرت تھی۔ حکومت کی طرف سے کوئی مدرسہ جاری نہ تھا۔

لاہور کی موجودہ اسلامی درسگاہیں

لاہور کی موجودہ قابلِ ذکر اسلامی درسگاہوں میں انجمن حمایت اسلام کے مختلف زنانہ و مردانہ سکول اور اس کا کالج اور مدرسہ انجمن نعمانیہ ہے۔ انجمن کی تعلیم گاہیں نئی سکیم کی سکیم کے مطابق ہیں اسلئے وہاں دینی تعلیم فقہ و حدیث اور تفسیر وغیرہ کا ذکر نہیں ہے لیکن مدرسہ انجمن نعمانیہ میں فقہ و حدیث اور دیگر علوم کی کافی تعلیم ہوتی ہے۔ گو اس میں بھی اصلاح و ترقی کی بڑی گنجائش ہے۔ ایک اور اسلامی مدرسہ "مدرسہ رحیمیہ" کے نام سے بیرونِ گنبد کی مسجد میں ہے جو شیخ محمد نقی صاحب ہیں لاہور کی توجہ سے چل رہا ہے اس مدرسہ میں کتب حدیث، فقہ، تفسیر، منطق، فلسفہ کی تعلیم ہوتی ہے[2]۔ ان تعلیم گاہوں کے علاوہ لاہور میں

---

[1] روضۃ الابرار میں مولوی محمد الدین فوقی مرحوم نے اپنا ذکر کرتے ہوئے لاہور کے اس نامور امیر عالم کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔ کہ میں نے خان بہادر فقیر شمس الدین اور خان بہادر محمد برکت علی خان رئیسان لاہور کے مشورہ سے ۱۲۸۵ھ میں پہلی مرتبہ بادشاہی مسجد لاہور میں وعظ کہا۔ فقیر صاحب کے متعلق آپ اسی کتاب میں لکھتے ہیں "عربی میں بحر العلوم اور اپنے وقت کے سحبان تھے مسلمانوں کی فلاکت و غفلت سے نہ صرف باخبر تھے۔ بلکہ ہمدرد اور دلسوز تھے۔ اہل علم کی بڑی قدر کرتے تھے۔ میں نے انہی کے مصلح و مشورہ سے علوم انگریزی اور علم ادب و انشائے عرب کی طرف توجہ کی۔ اور مجھے اپنے ہمراہ ڈاکٹر لیٹنر ڈائریکٹر مسیر رشتہ تعلیم پنجاب کے پاس لے گئے۔ فقیر سید شمس الدین کا مزار کوچہ آستانہ شریف واقعہ بازار حکیماں میں ہے۔ فقیر سید نجم الدین صاحب تحصیلدار شرقپور آپ کے اکلوتے پوتے ہیں جو اپنے جدِ امجد کی طرح اہل علم کے بڑے قدردان ہیں۔

[2] مولوی فاضل مولوی عبد العزیز دوست علاوہ سنا توان تفصیل منتظر گڑھ) اس مدرسہ کے صدر مدرس ہیں جو دیوبند کے تعلیم یافتہ ہیں آپ مولانا محمود الحسن صاحب اور مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری ثم الدیوبندی کے تلامذہ رشید میں ہیں۔

کچھ عرصہ سے "درس" بھی جاری ہیں۔ دو درس سلسلۂ احمدیہ کی دونوں جماعتوں کے ہیں جہاں ہر روز صبح کو قرآن شریف تفسیر کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے۔ ایک درس مولوی حاجی احمد علی صاحب کا شیرانوالہ دروازہ کی مسجد میں ہوتا ہے جہاں قرآن شریف اپنے فلسفیانہ انداز اور پوری شرح و بسط کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے۔ اس درس میں اس قدر لوگ آتے ہیں اور مولوی صاحب کا طرز بیان ایسا دلکش ہے۔ کہ انبوہ کثیر کے آجانے کی وجہ سے مسجد کی توسیع کی گئی۔ صبح کے درس میں لوگ بکثرت شامل ہوتے ہیں اور فیض اٹھاتے ہیں۔ مولانا دار العلوم دیوبند کے تعلیم و تربیت یافتہ ہیں حضرت مولانا پیر عبد الغفار صاحب کا ایک مدرسہ بھی محلہ مگیہ سادھواں میں مدرسہ غوثیہ کے نام سے جاری ہے۔ جہاں فقہ تفسیر کی تعلیم ہوتی ہے۔ اور مثنوی مولانا روم تفسیر کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے تعلیم دیگر درسگاہوں کی طرح سنت اور عام ہے۔

اس تذکرہ کی تصنیف میں کن کتابوں سے مدد لی گئی

(۱) نتیجۃ الرجال عربی، مصنفہ میر غلام علی آزاد بلگرامی (۲) مآثر الامراء فارسی، تصنیف نواب صمصام الدولہ شاہنواز خان۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔ اور بہت ضخیم اور کمیاب ہے (۳) تاریخ فرشتہ (۴) تاریخ ہند مصنفہ خان بہادر شمس العلماء محمد ذکاء اللہ دہلوی مرحوم۔ نہایت ضخیم کتاب ہے اور چار جلدوں میں ہے (۵) زبدۃ المقامات، مصنفہ مولانا محمد ہاشم کشمی خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی (۶) مکتوبات حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمۃ (۷) حدائق الحنفیہ مصنفہ مولوی خیر محمد جہلمی مرحوم جو ایک مطبع "سراج المطابع" اور ایک اخبار "سراج الاخبار" کے بھی مالک تھے۔ انکی وفات کے بعد دونوں بند ہو گئے (۸) توزک جہانگیری۔ (۹) سیر المتاخرین (۱۰) اکمل التاریخ و تذکرہ اولیائے بدایوں، از مولوی محمد یعقوب صاحب قادری ضیاء بدایونی (۱۱) تاریخ لاہور انگریزی مصنفہ خان بہادر شمس العلماء سید محمد لطیف مرحوم (۱۲) تاریخ لاہور اردو از رائے کنہیا لعل اگزائمنر (۱۳) تاریخ جہانگیری (۱۴) تحقیقات چشتی از مولوی نور احمد صاحب چشتی مرحوم (۱۵) ڈائری مطبوعہ مولوی احمد بخش یکدل مرحوم (۱۶) روضۃ الاولیاء از مولوی فاضل نور الدین فرخی مرحوم۔ ان پندرہ کتابوں میں جہاں کہیں علمائے لاہور کا ذکر آیا ہے۔ میں نے بارہ دل کی طرح اسکو اٹھا کر "تذکرہ" کے نگینہ میں جڑ دیا ہے۔ اور اس طرح دانہ دانہ جمع کر کے یہ چھوٹا سا خرمن تیار کیا ہے۔ اگر تھوڑی سی اور محنت کی جاتی اور چند اور کتب بعض اصحاب سے عاریتاً ہی مل جاتیں تو کتاب میں تھوڑا بہت اور اضافہ ہو جاتا۔ مگر نہ تو کتابیں ملیں اور نہ میری طویل علالت اور اس کے بعد کمزوری اور نقاہت نے اور زیادہ مطالعہ کی اجازت دی۔

لاہور کے بعض مصنفین کے حالات جنکی کتابوں نے اس تذکرہ میں مدد دی

میں نے جن کتابوں سے اس تذکرہ کی تدوین میں مدد لی ہے۔ اُن کے نام اوپر لکھ دئے ہیں ان میں عدا سے ۱۵ تک ایسی کتابیں ہیں جن

کے مصنف لاہور ہی کے تھے۔ اور چونکہ وہ سب اہل علم و فضل تھے، اس لئے ان کے مختصر سے حالات بھی درج کرنے نامناسب نہ ہونگے۔ ان میں سے مولوی احمد بخش صاحب یکدل کے حالات طبقہ علماء میں لکھے جا چکے ہیں۔ باقی کے حالات حسب ذیل ہیں:-

سید محمد لطیف جج مرحوم | آپ نے ۹ فروری ۱۹۰۲ء کو بمقام گوجرانوالہ دفعتہً بعارضہ اختلاج قلب چند منٹوں ہی میں انتقال فرمایا۔ وفات سے چند منٹ پیشتر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد ۔ روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

گورداسپور، ہوشیارپور، گوجرانوالہ ہر جگہ معزز عہدوں پر ممتاز رہے، اور جہاں رہے علمی شاغل کو فراموش نہ کیا۔ آپ کی مندرجہ ذیل چھپی ہوئی کتابیں موجود ہیں۔ تاریخ پنجاب مع حالات لاہور (مطبوعہ ۱۸۸۴ء) تاریخ لاہور (انگریزی مطبوعہ ۱۸۹۲ء) تاریخ آگرہ (انگریزی) تاریخ ملتان (انگریزی) زمانہ طالب علمی میں منجملہ نظم ہی تصنیف کیا تھا جس کا نام "دیوان لطیف" ہے۔ آپ اپنے علم و فضل کیوجہ سے پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے ممبر بھی تھے۔ آپ کا بہت بڑا ایک کتب خانہ بھی تھا۔ جو اب تک موجود ہے۔ ان کے والد کا نام منشی محمد عظیم تھا جنہوں نے انگریزی عملداری کی ابتدا میں اخبار مذاق تمام اہل پنجاب میں پھیلایا۔ اولاد ذکور میں سے بجز (تصانیف) کے علاوہ خان بہادر مرحوم اولاد ظاہری سے بھی کوئی نہ تھے۔ دو بیٹوں کے باپ تھے۔ ایک سید غیاث الدین جن کا انتقال اچھی عمر میں ہوا۔ آپ سے حسب ذیل چار فرزند یادگار ہیں سید تیز الدین صاحب بی اے منصف شیخوپورہ، سید خورشید الدین صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل لاہور۔ دوسرے صاحبزادے سید محمد عزیز الدین صاحب بفضلہ تعالیٰ ہوشیارپور میں بعہدہ ڈپٹی انسپکٹر تعینات ہیں۔ آپ کا ایک صاحبزادہ سید بلیغ الدین بی اے دفتر گورنمنٹ میں ملازم ہے۔ اور ایک لڑکا ابھی کالج میں زیر تعلیم ہے۔

خان بہادر مرحوم کی تصانیف علمی طبقہ میں نہایت مستند سمجھی جاتی ہیں۔ اردو نظم و نثر کے علاوہ انگریزی زبان پر کافی عبور تھا۔ ان کے انگریزی طرز تحریر کے اکثر اہل علم معترف ہیں۔

آپ کی وفات پر اکثر اخبارات نے مالی مضامین لکھے۔ یہاں صرف اخبار "رفیق ہند" مورخہ ۱۵ فروری ۱۹۰۲ء کے ایک مضمون کا کچھ اقتباس درج کیا جاتا ہے۔ "مرحوم کو اخباری شوق اپنے والد ماجد سے ورثہ میں ملا تھا۔ عرصہ تک وہ تہا نے قالیف کے ساتھ اخبار انجمن پنجاب کی ایڈیٹری کرتے رہے۔ باوجود جوڈیشل کام کی کثرت کے ان کو تالیف تصنیف کا شوق بھی تھا۔ ان کی کتابیں پبلک کے علاوہ گورنمنٹ کے حضور میں بھی قابل قدر سمجھی گئیں اور شمس العلماء کا خطاب عطا ہوا۔ عالمانہ ذوق اور اہل علم سے خاص محبت رکھتے تھے۔ اخبار رفیق ہند جو اپنے وقت میں پنجاب کا ایک نامور اخبار تھا، اسی مرحوم سے پیدا ہے۔ اس کے قابل اور لائق ایڈیٹر و مالک مولوی محمد علی صاحب چشتی آنریبل مانیکورٹ پنجاب کے وکیل ہیں۔

رائے بہادر لالہ کنہیا لال آنجہانی | اصل وطن علیمیر ضلع ایبٹ آباد تھا۔ ۱۸۵۷ء سے پیشتر لاہور میں آ کر آباد ہوئے اور ایسے آئے کہ یہیں کے ہو رہے۔ لاہور کے دیرینہ رہائشیوں کے اگر اکا دکا اخبر رہتے تھے۔ تیس سال تک محکمہ تعمیرات کے افسر رہے چونکہ تاریخی مذاق مبدا فیاض سے عطا ہوا تھا۔ اس لئے سلسلہ تصانیف میں کئی کتابیں لکھیں۔ تاریخ پنجاب اور تاریخ لاہور (۱۸۸۱ء) ۱۸۸۴ء میں علی الترتیب لکھیں۔ تحقیقات نامہ فارسی نظم میں، بہار راجہ رنجیت سنگھ کی تحقیقات کے متعلق لکھا۔ فارسی اردو نظم و نثر لکھنے میں مہارت کامل رکھتے تھے۔ گلزار ہندی، سیر ہندگی نامہ، یادگار ہندی۔ اخلاق ہندی، مناجات ہندی، نصیحت نامہ، نگارین نامہ، دیوان مخزن التوحید کئی کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ تخلص ہندی تھا۔ مفتی غلام سرور لاہوری سے بھی آپ بہت امداد لیا کرتے تھے۔

مولوی نور احمد چشتی مرحوم مصنف تحقیقات چشتی | مولوی نور احمد چشتی مولوی احمد بخش یکدل کے فرزند

اکبر تھے۔ ۱۷ ذی الحجہ ۱۲۴۳ھ کو پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر میں جملہ درسی علوم سے فارغ ہو گئے۔ دیوان امرناتھ مہتر تخلص، خلف دیوبنا ناتھ جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سوار فوج کے بخشی تھے کی سفارش سے اس چھوٹی سی عمر ہی میں عہدہ وکالت بقرار پانچ روپیہ یومیہ ملازم ہو گئے۔ انگریزی عملداری کے دنوں میں حسب معمول زرگان خود آپ نے بھی شہر کے امراء زادگان کو تعلیم دینی شروع کر دی ۱۸۴۶ء میں انگریزی حکام (صاحبان ملکی و جنگی) کو پڑھانے پر مامور ہو گئے۔ اسی دوران میں آپ نے حسب ذیل کتابیں بھی تصنیف کیں تحفہ چشتی (حرف و نحو اردو۔ فارسی عربی)، یادگار چشتی مشہور بہ دستور اہل اسلام پنجاب۔ عجائبات چشتی۔ خیالات دانش (زبان فارسی)، تحقیقات چشتی آخر الذکر کتاب سب سے زیادہ ضخیم اور آپ کی تمام تصانیف سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ کتاب مزارات اولیائے لاہور کی ایک مکمل تاریخ ہے۔ اور گو اس میں بعض نقائص بھی ہیں لیکن پھر بھی لاہور کے متعلق جس قدر کتابیں شایع ہوئی ہیں سب کو اس کی خوشہ چینی کرنی پڑی ہے۔ مولوی صاحب اس زمانہ میں جبکہ پنجاب میں اردو کا رواج بھی نہ تھا، بلکہ دفاتر تک بھی فارسی میں تھے، اردو میں بر جستہ شعر کہتے تھے۔ حضرت مولانا فیض اللہ شاہ کاشمیری سے بیعت تھے۔ جو کشمیر سے پہلے دہلی اور وہیں سے غدر ۱۸۵۷ء کے بعد کرنال میں آ رہے تھے۔ اور بدوران سیاحت لاہور بھی تشریف لے آئے تھے۔ افسوس ہے۔ مولوی صاحب نے عمر بہت تھوڑی پائی۔ چالیس سال کا سن تھا۔ کہ ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء کو انتقال کر گئے۔ مولوی صاحب کی عمر ابھی تیرہ سال کی تھی۔ کہ اپنے والد مولوی احمد بخش بکول کے ساتھ تقریباً ۱۸۵۳ء دیوان کدار ناتھ برادر راجہ دینا ناتھ دہلی گئے۔ اور وہاں بہادر شاہ بادشاہ سے بھی ملے۔ جہاں سے ان کو بھی سات پارچہ کا خلعت ملا۔

مولوی محمد الدین فوقی مرحوم ۳ جمادی الاول ۱۲۹۶ھ کو لاہور میں پیدا ہوئے حسب طریقہ اسلاف حافظ قرآن بھی تھے۔ فضلائے لاہور و پنجاب و کشمیر وغیرہ سے بتقاضا وہ علوم کیا۔ صرف۔ نحو منطق و فلسفہ حکمت معانی۔ فقہ و اصول۔ حدیث و تفسیر اور تصوف و طب اور فن عروض و وعظ میں نہایت ماہر تھے۔ بیس سال سے کم عمر تھی کہ صاحب درس ہو گئے تھے۔ چنانچہ روضۃ الابرار صفحہ ۱۷۰ پر لکھتے ہیں "مسجد گیلانیاں واقعہ محلہ لاہور میں میں طلبا کو درس دیتا تھا۔ اور سلم العلوم پر جو علم منطق کی کتاب ہے۔ طلبا کے سامنے تقریر کرتا تھا۔ میر عبدالحق فرزند اند الی رتنی پوری کاشمیری معہ اپنے فرزند میر عبدالغنی اور اپنے برادر زادہ سید قمر الدین کے موجود تھے۔ اسی وقت ایک خضر صورت مسجد میں آ گئے۔ میری تقریر سن کر بڑی مسرت ظاہر کی۔ اور بزبان کشمیری میر اندرابی مرحوم سے کہا کہ اس لڑکے کی تقریر سے فضلائے کشمیر کی تقریروں کی خوشبو آ رہی ہے۔ یہ نوجوان انشاء اللہ روز بروز ترقی کرے گا۔ مولوی محمد الدین لکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں میری عمر بیس سال سے بھی کم تھی +

۱۸ سال کی عمر تھی۔ کہ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ میں آپ نے بادشاہی مسجد میں وعظ کہا جس میں لاہور کے نامی علما اور رؤسا بھی موجود تھے۔ یہیں وعظ خوانی کی دستار فضیلت بھی آپ کو ملی۔ خان بہادر فقیر شمس الدین مرحوم چونکہ خود عالم اجل تھے۔ اس لئے مولوی فوقی کی بہت قدر کرتے تھے۔ انہی کے مشورہ اور ڈاکٹر لیٹنر کے ایما سے آپ ۱۳۱۸ھ میں درجہ مولوی و منشی ۱۳۲۰ھ میں منشی عالم اور امتحان انٹرنس ۱۳۲۸ھ میں اور بی۔ او۔ ایل ۱۳۲۹ھ میں ایف اے کا امتحان پاس کر کے اسی سال اورینٹل کالج میں مدرس مقرر ہو گئے۔ ۱۳۳۱ھ میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ مولوی صاحب عربی اور فارسی کے تمام امتحانات میں اول رہتے تھے۔ مولوی فاضل کے علاوہ منشی فاضل بھی تھے۔

۱؎ آپ کے ایک قابل صاحبزادہ میر غلام علی شاہ صاحب عین جوانی میں ۱۹۱۹ء میں انتقال فرما گئے۔ بڑے صاحبزادہ سید محمد امین صاحب اندرابی بیرسٹر لاہور کے مہذب و سنجیدہ کونسلر اور ہائیکورٹ لاہور کے ایک قابل وکیل ہیں۔ اور علمی و ادبی خدمات کرام میں سرگرم رہتے ہیں +

اور ایف اے تک تعلیم حاصل کرنے سے علوم انگریزی سے بھی بہرہ وافی رکھتے تھے۔ عربی اور فارسی میں شعر بہایت اچھے کہتے تھے۔ ۱۲۹۷ھ میں جب تیس سال کی عمر تھی۔ نواب محمد صادق علیخان والئی بہاولپور کی تہنیت جلوس میں بزبان عربی ایک جید قصیدہ لکھا جس پر صلہ وافر عطا ہوا۔ اسی سال بالغ العلوم المشرقیہ یعنی بی۔ او ایل کا امتحان دیا۔ جو کہ جب سے یونیورسٹی قایم ہوئی تھی آپ نے سب سے پہلے یہ امتحان دیا تھا۔ اس لئے حکام ملک لاٹ صاحب (لارڈ ڈیجرٹن بہادر لفٹننٹ گورنر پنجاب) تک نے بہایت عزت فرمائی۔ ۱۳۰۳ھ میں ایم۔ او ایل یعنی مالک العلوم المشرقیہ کا امتحان درجہ اعلےٰ میں پاس کیا۔

آپ کی کئی تصنیفات بھی ہیں۔ روضۃ الاذہار جس میں عربی شعراء کا اردو میں تذکرہ ہے۔ روضۃ الابرار مشائخ کشمیر کے حالات میں بزبان فارسی۔ تاریخ ایام الجالیہ و مختصر السیر فی احوال خیر البشر۔ قلائد الذہب فی فوائد الادب (بزبان عربی) حل لغات الف لیلہ بزبان عربی۔ علم فلسفہ بزبان انگریزی و عربی و اردو۔ تفسیر فتح العظیم غیر مکمل مختصر تاریخ کشمیر وغیرہ وغیرہ۔

تذکرہ علمائے لاہور میں چند نامور عالمہ عورتوں کے نام

کتاب کے آخر میں بعض عالمہ عورتوں کے مختصر سے حالات بھی درج ہیں۔ جنکو عربی۔ فارسی کے علوم و فنون دینی و دنیوی پر کافی عبور تھا۔ اور جن میں سے اکثروں کے دم قدم سے لاہور کے مطبقہ علماء اور اہل علم حضرات کی قدر و پرورش ہوتی تھی۔ ان عورتوں کا اصل وطن لاہور نہیں تھا۔ نہ لاہور میں ان کی پیدایش و تربیت ہوئی۔ مگر ان کی عمروں کا ایک طویل حصہ لاہور میں بسر ہوا۔ اور آخر ان کا مدفن بھی لاہور ہی بنا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں علم کی بڑی قدر کی۔ اس لئے ان کے مختصر سے حالات بھی آخر میں درج کر دیئے گئے۔

تذکرہ میں سنہ وار ترتیب قایم نہیں رہ سکی

مجھے اس تذکرہ کے متعلق دو باتوں کا افسوس ہے۔ ایک تو یہ کہ ایک دو ضلعی کتابیں جن میں لاہور کے علماء و فضلاء کے حالات زیادہ مل سکتے ممکن تھے مجھے نہیں مل سکیں۔ دوسرے یہ کہ میں علماء و صلحاء کے حالات سنہ وار ترتیب نہیں دے سکا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ میں نے اس کتاب کا سلسلہ لاہور کے ماہوار رسالہ نظام میں جاری کر دیا۔ چنانچہ پہلے دو ماہ تو آٹھ آٹھ صفحے پر ہر مہینے چھپتے رہے۔ تیسرے مہینے سے صفحے اور چوتھے مہینے ۱۶ صفحے چھاپ کر کتاب مکمل کر دی گئی۔ ہر مہینے مسلسل مضمون دینے کی وجہ سے جس طرح حالات دستیاب ہوتے گئے۔ اسی طرح لکھتا گیا۔ اب انشاء اللہ تعالےٰ جب کبھی اس کے دوبارہ طبع کرانے کی نوبت آئیگی۔ تو بشرط زندگی یہ زیادہ حسن ترتیب اور زیادہ تتمیم و صفائی اور زیادہ حجم کے ساتھ چھپے گی۔ وما توفیقی الا باللہ۔

۱۰ جمادی الاول ۱۳۳۸ھ
سطابق یکم فروری ۱۹۲۰ء

محمد الدین فوق۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرہ علماء و صلحائے لاہور

مولانا مسعود ابن سعد ابن سلیمان۔ مولانا مسعود کے دادا سلیمان ہمدان سے سلطان ابراہیم غزنوی کے ابتدائے عہد میں غزنی سے لاہور آئے۔ یہیں جاگیر وغیرہ ملی یہیں شادی بیاہ کیا۔ اور آخر بقول شاعر ؎

تا ملش اس شہر سے ہم کیا کریں اک قصد جا نیکا
لفافوں میں لکھا ہے خاک گور کو پورا ہو جانا

آپ نے لاہور ہی کو اپنا وطن قرار دیا اور یہیں سپرد خاک ہوئے۔ مولانا مسعود کی پیدائش لاہور ہی میں ہوئی۔ لاہور کے جید علماء سے تعلیم حاصل کی۔ سلطان ابراہیم نے ان کو منصب استاذ عطا کیا۔ شاعر تھے۔ اور شعراء کے قدردان تھے۔ اور اہل علم کی پرورش کرتے تھے۔

؎ سلطان ابراہیم بن امیر مسعود ابن سلطان محمود غزنوی کے اپنے بھائی امیر شرف زادہ کے ولیعہد مقرر ہونے پر جو بغاوت کی تھی اس میں بھی شریک تھا۔ شاہزادہ مودود کا عہد تھا بسنہ ۴۹۲ھ میں اس نے ہندوستان پر یورش کی۔ ایک پٹن دائیں زمانہ میں اس کا نام اجودھن تھا کو فتح کر کے واپس چلا گیا بسنہ ۴۹۳ھ میں وفات پائی۔ سلطنہ کے دنوں میں لاہور بھی تھیرا تھا۔ اور مزار حضرت داتا گنج بخش پر بھی حاضر ہوا تھا۔ ۴۲ سال سلطنت کی۔

؎ سبحۃ المرجان میں مولانا غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ محمد شاہ بادشاہ ہند وستان کے

نظامی عروضی نے چار مقالہ میں اور مولوی محمد الدین نے روضۃ الادباء میں لکھا ہے۔ کہ ۵۱۵ھ تک زندہ رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولانا مسعود طویل العمر تھے۔ انہوں نے غزنی کے چار بادشاہوں کی سلطنت دیکھی۔ ابراہیم مسعود۔ ارسلان اور بہرام شاہ۔ گویا دولت غزنویہ کا عروج بھی دیکھا اور زوال بھی۔ مولانا عربی۔ فارسی۔ ہندی تینوں زبانوں میں صاحب دیوان تھے۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں۔ مسعود کا فارسی دیوان بلاد ہند و ایران میں بڑی شہرت رکھتا ہے۔ علامہ وطواط نے حدیقۃ السحر میں مولانا مسعود کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ عربی

(حاشیہ متعلق صفحہ ۲۵) آخری زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اس لئے آپ کا اصل ممدوح سیف الدین محمود بن ابراہیم تھا۔ محمود جب عراق بھاگا ہے۔ تو مولانا مسعود بھی ساتھ تھے۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی نے مولانا مسعود کو گرفتار کر کے نائے نامی ایک قلعہ میں قید کر دیا۔ آپ نے اپنی رہائی کے لئے وہاں بہت سے قصائد لکھے۔ معافی مانگی مگر رہا نہ ہو سکے۔ آخر بیس برس تک حبس خانہ میں رہنے کے بعد ملک شکاتی کی سفارش سے رہائی ملی۔ روضۃ الادباء (مصنفہ مولانا محمد دین مولوی فاضل مرحوم لاہوری مطبوعہ ۱۳۰۹ھ) میں مولانا مسعود کے متعلق لکھا ہے۔ سلطان ابراہیم کو جب اس کے جوہر لیاقت کی خبر ہوئی۔ تو بڑی عزت و توقیر سے اسے بلایا اور کسی شہر کا حاکم بنا دیا۔ اس تحریر سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مولانا مسعود کے مراتب سلطان ابراہیم نے بلند کئے۔ دوسرے یہ کہ وہ عالم ہونے کے علاوہ ملکی قابلیت بھی رکھتے تھے۔ اور غالباً غزنی کی طرف کسی شہر کے حاکم تھے۔

مولانا آزاد و بلگرامی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطان ابراہیم کے بعد ان کا بیٹا سیف الدین محمود تخت پر بیٹھا۔ اور وہی ان کا مربی تھا۔ اور اسی کے ساتھ وہ عراق کو بھاگے بھی تھے صاحب روضۃ الادباء لکھتے ہیں۔ سلطان ابراہیم نے ان کی قدر کی مالا مال کیا اور عہدہ عظیم بخشا۔ اب ہمیں ان حالات کی تحقیق کے لئے تاریخ فرشتہ کو دیکھنا پڑا۔ وہاں لکھا ہے۔ کہ سلطان ابراہیم نے بقول بعض ۴۷۸ھ اور بقول بعض ۴۹۲ھ میں وفات پائی چونکہ شوکت افغانی اور بعض اور تاریخوں میں ۴۹۲ھ ہی کو زیادہ معتبر سمجھا گیا ہے۔ اس لئے اس (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸)

زبان میں ایسے اشعار کسی عجمی کے کم ہوتے ہیں۔ مولانا آزاد بلگرامی سبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں۔ مولانا کا عربی اور ہندی دیوان اب عنقا ہے۔ فارسی دیوان ملسکتا ہے۔ حدیقۃ السحر کے حوالہ سے سبحۃ المرجان میں آپ کے چند اشعار عربی کے درج ہیں۔ میں نے سبحۃ المرجان اپنے مکرم دوست حکیم محمد حبیب الرحمان صاحب (ڈھاکہ) کے پاس (جولائی ۱۹۱۸ء) میں بدوران قیام ڈھاکہ دیکھی تھی۔ دس بارہ شعر تھے۔ افسوس ہے۔ ان کے نقل کرنے کا خیال نہ رہا۔ روضۃ الادباء میں بھی وہ شعر نظر سے گذرے ہیں۔ وہ ذیل میں درج ہیں:۔

ولیل کان الشمس ضلت مجرہا ولیس لہا نحو المشارق مرجع

بہت رات گویا آفتاب ان میں اپنا راستہ بھول گیا۔ اور مشارق کی طرف اس کیلئے مرجع نہ رہا۔

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۴۰) حساب سے ابراہیم کی مدت حکومت ۴۲ سال سمجھنی چاہیئے۔ مولانا مسعود کے باپ اور دادا ابراہیم کے اوائل عہد میں آئے تھے۔ مولانا مسعود لاہور ہی میں پیدا ہوئے۔ اس حساب سے سلطان ابراہیم کے عہد میں ضرور ان کے علم و فضل کی قدر ہوئی ہوگی۔ پھر مولانا بلگرامی لکھتے ہیں۔ ان کا اصل ممدوح سیف الدین محمود بن ابراہیم تھا۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے۔ کہ ابراہیم کے بعد اس نام کا کوئی بادشاہ تخت غزنی پر نہیں بیٹھا۔ چنانچہ ابراہیم کے بعد غزنوی خاندان کے جو بادشاہ گذرے ہیں۔ اُن کے نام حسب ذیل ہیں:۔

علاء الدولہ مسعود بن ابراہیم (۵۰۹۲ھ سے ۵۱۰۸ھ تک) سلطان الدولہ ارسلان شاہ بن مسعود بن ابراہیم (تین سال تک) معز الدولہ بہرام شاہ بن مسعود بن ابراہیم (۵۱۲۲ھ سے ۵۵۴۷ھ تک ۴۳ سال) اس کے بیٹے خسرو شاہ کو سلطان شہاب الدین غوری نے افغانستان سے نکال دیا۔ اور وہ پنجاب چلا آیا۔

معلوم نہیں۔ مولانا آزاد نے مولانا مسعود کا واقعہ عراق بھاگنے اور وہاں قید ہونے اور ابراہیم کے بعد سیف الدین محمود کی تخت نشینی کا کہاں سے لیا ہے۔

5127

فخلت لقلبی طال لیلی ولیس لی ۔ من الہم سجاۃ و فی الصبر مفزع

میں نے اپنے دل سے کہا کہ اب میری رات لمبی ہو گئی ہے اور مجھ کو غم سے نجات نہیں ملی اور آنکھوں میں نیند نہیں ہے

مولانا حسن الصغانی ۔ صغانی اس لئے مشہور تھے ۔ کہ ان کے کوئی بزرگ صغان (ماوراء النہر) سے آئے تھے ۔ نسباً فاروقی تھے ۔ فقہ اور حدیث میں ان کا بہت بڑا درجہ ہے ۔ ۱۰ صفر ۶۷۷ھ کو جمعرات کے دن لاہور میں پیدا ہوئے ۔

مبارک الازہار میں لکھا ہے ۔ کہ اپنے والد سے علوم حاصل کرنے کے بعد ۶۱۷ھ میں بغداد گئے ۔ اور عرصہ دراز تک وہاں رہے ۔ وہاں آپ نے علم و فضل اور تصنیف و تالیف میں بہت شہرت حاصل کی ۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں ۔ چند کتابوں کے نام ذیل میں درج ہیں ۔ کتاب الشوارد (لغات) شرح القلادہ (گتبیہ) کتاب الافعال ۔ کتاب العروض ۔ مشارق الانوار (جس کا ترجمہ فارسی میں بھی ہو چکا ہے) مصباح الدجیٰ اور شمس المنیرہ اور شرح حدیث بخاری اور درۃ السحابہ کتاب الفرائض (حدیث میں) کتاب اللباب (لغت میں) مکہ بھی گئے اور بغداد اور عدن کی طرح وہاں کے علماء سے بھی حدیث کی سندات حاصل کیں ۔ اپنے وقت کے امام الحدیث اور بہت بڑے متقی اور پرہیزگار تھے ۔ بعہد خلیفہ مستعصم ۶۵۰ھ میں بغداد میں انتقال کیا ۔ آپ کی وصیت تھی ۔ کہ مکہ میں مجھے دفن کیا جائے ۔ اور جو لوگ میری میت کو لیجائیں ۔ ان کو پچاس پچاس دینار دیئے جائیں ۔ چنانچہ وصیت پر عمل ہوا ۔ اور آپ مکہ میں دفن کئے گئے ۔ مولانا آزاد بلگرامی لکھتے ہیں ۔ مولانا حسن نے مشارق الانوار کے دیباچہ میں مکہ میں دفن ہونے کی دعا کی ہے ۔ جو آخر منظور و قبول ہو گئی ۔

شیخ محمد اسمٰعیل محدث ۔ سلطان مسعود غزنوی کے آخر زمانہ ۵۹۵ھ میں بخارا سے لاہور آئے ۔ سادات عظام میں سے تھے ۔ حدائق الحنفیہ میں لکھا ہے ۔ کہ داعظان اسلام میں سے سب سے پہلے آپ ہی لاہور تشریف لائے ۔ پہلے جمعہ کو جب آپ منبر وعظ پر بیٹھے ۔ تو دو سو سے زائد ہندو مسلمان ہو گئے ۔ اور اسی طرح روز بروز

تعداد بڑھتی گئی۔ علوم فقہ۔ حدیث و تفسیر میں امام اور جامع علوم ظاہری و باطنی تھے ۴۶۵ھ میں بمقام لاہور وفات پائی۔

داتا گنج بخش ہجویری لاہوری۔ جامع علوم ظاہری و باطنی اور عابد و زاہد و متقی تھے۔ اپنے مرشد کے ایماء سے ۴۳۱ھ میں بعہد سلطان مسعود اول غزنوی غزنی سے لاہور آئے۔ ہجویر اور جلاب غزنی کے ایک محلہ کا نام ہے۔ اس لئے آپ ہجویری اور جلابی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی جنیدی شیخ ابوالقاسم گورگانی۔ ابوسعید ابوالخیر اور ابوالقاسم قشیری محدث کے صحبت یافتہ تھے۔ لاہور میں آکر ہزارہا گم کردگان راہ حق کو راہ راست پر لائے۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء آپ کی خدمت میں رہ کر سعادت دارین حاصل کرتے رہے ۴۶۵ھ میں لاہور ہی میں اپنی تعمیر کردہ خانقاہ میں مدفون ہوئے۔ لاہور میں جس قدر آپ کے مزار پر اہل حاجات کا رجوع ہے اس قدر اور کہیں نہیں ہے۔ آپ کے مفصل حالات میں ایک الگ کتاب بنام سوانح عمری داتا گنج بخش رح موجود ہے۔ جو راقم سطور ہذا ہی کی لکھی ہوئی ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اور بابا فرید الدین مسعود گنج رح آپ کے مزار اقدس پر چلہ کش رہے ہیں۔ آپ کے مزار پر سلطان ابراہیم غزنوی اور سلطان شمس الدین التمش کے ہاتھوں کے قرآن شریف لکھے ہوئے موجود ہیں جو یہاں بطور نذر چڑھائے گئے تھے۔

سید عبداللہ بن سید عبدالخالق۔ ان کے والد ماجد سید عبدالخالق بھاکر یا بھکر کے سادات عظام میں سے تھے۔ فقیہہ۔ محدث۔ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ۔ تمام عمر تدریس فقہ و حدیث و تفسیر میں گذار دی۔ کسی سائل کو کبھی اپنے دروازہ سے خالی نہ بھیجا ۹۳۰ھ میں وفات پائی۔ روضہ سید جلال محمد حضوری کے قرب میں متصل گڈھی شاہو دفن ہوئے۔

مولانا سعداللہ لاہوری۔ مولانا ابراہیم جامع کے بیٹے تھے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے۔ کہ اپنے وقت کے فاضل اجل تھے۔ تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولانا

سعد اللہ نے اپنے زمانہ کے حالات و واقعات بھی قلمبند کئے تھے۔ چنانچہ ملتان کے حالات میں کئی جگہ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ مولانا سعد اللہ بیان کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں نقل کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جب میرزا شاہ حسین ارغون نے شاہ حسین ثانی والئی ملتان پر حملہ کیا ہے۔ تو مولانا سعد اللہ اس وقت قلعہ کے محصورین میں تھے لکھتے ہیں۔ میرزا نے چاروں طرف سے درآمد برآمد کے راستے بند کر دیئے تھے۔ آخر بات یہاں تک پہنچی۔ کہ اہل قلعہ کتے اور بلیاں کھانے لگے۔ ایک سال چند ماہ کے بعد آخر میرزا کامیاب ہو گیا۔ میرزا کے مظالم کے حالات میں لکھتے ہیں۔ کہ سات برس کے بچے سے لے کر ستر برس کے بوڑھے تک جس شخص پر صاحب دولت ہونے کا گمان گذرا۔ اس کی خانہ تباہی کر دی۔ میرے مکان میں بھی داخل ہوئے اور سب کچھ لوٹ لیا۔ اپنے متعلق وہ لکھتے ہیں۔ کہ مجھے اور میرے باپ کو صرف ہمارے علم و فضل کی وجہ سے رہائی ملی۔ یہ زمانہ بابر کے آغاز حکومت کا تھا۔

ملا عبد السلام لاہوری۔ عالم اجل۔ فاضل اکمل۔ فقیہہ اور مفسر تھے۔ ملا فتح اللہ شیرازی صاحب تفسیر (المتوفی ۹۹۵ھ) کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ تفسیر بیضاوی کے نہایت برجستہ حاشیے آپ کی یادگار ہیں۔ ۱۰۳۷ھ میں لاہور ہی میں وفات پائی۔ ملا عبد السلام دیوہ آپ ہی کے شاگردوں میں تھے۔ میرک شیخ ہروی قاضی محمد اسلم کا برادر زادہ تھا۔ بعہد جہانگیر خراسان سے لاہور آکر آپ کے تلامذہ میں داخل ہوا۔ میرک شیخ ہروی حصول تعلیم کے بعد پہلے شاہزادہ دارا شکوہ اور دیگر شاہزادگان کی تعلیم پر متعین ہوا۔ پھر شاہجہان کے جلوس اول میں بادشاہ بیگم کا دیوان اور دو ہزاری دو صد سوار کا منصب دار ہو گیا۔ بعہد اورنگ زیب صدارت کل (صدر الصدور) رہا۔ ۱۰۸۱ھ میں وفات پا گیا۔ ملا عبد السلام لاہوری کا درس بقول صاحب مآثر الامراء پچاس سال تک جاری رہا۔ کچھ عرصہ تک قضائی کا کام بھی سرکاری طور پر اس کے سپرد رہا۔ مولانا عبد السلام کے متعلق طبقات اکبری میں لکھا ہے بڑے عالم تھے۔ مرآۃ میں لکھا ہے۔ بڑے فقیہہ تھے۔ نوے برس سے زیادہ عمر پائی۔ شاہجہان کے سال اول جلوس میں فوت ہوئے۔

مولانا بہلول۔ لاہور کے مشہور عالم تھے۔ اکبر کے اواخر اور جہانگیر کے ابتدائی عہد میں آپ کا نام تاریخوں میں دیکھا جاتا ہے۔ مآثر الامراء جلد سوم میں لکھا ہے کہ مولانا بہلول لاہور کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ قاضی محمد اسلم آپ کے مشہور شاگردوں میں ہے۔ یہ وہی قاضی محمد اسلم ہیں۔ جن کا بیٹا میر زاہد علم کلام و حکمت میں لاثانی گذرا ہے۔ اور جس نے شرح مواقف اور بہت سی دقیق کتابوں پر مفید حاشیے لکھے ہیں۔ شاہجہان نے قاضی محمد اسلم کا تلامذہ بھی کیا۔ اور آخر میں کابل میں دس ہزار کی جاگیر بھی دی تھی۔ آغاز ۱۰۴۳ھ میں محمد اسلم نے کابل میں وفات پائی۔ حدائق الحنفیہ میں لکھا ہے۔ کہ وفات لاہور ہی میں ہوئی تھی۔

مولانا منہاج۔ تحصیل علم کے زمانہ میں آٹا اور تیل بازار اور شہر سے بھیک کے طور پر مانگ لاتے۔ آٹے کا چراغ بنا کر اور تیل اس میں ڈال کر رات کو اس کی روشنی میں مطالعۂ کتب کرتے۔ اور دن کو اسی آٹے کی روٹی پکا کر تناول کرتے۔ اور تمام دن رات اسی پر اکتفا کرتے۔ یہاں تک کہ عالم فاضل ہو گئے۔ سلطان بہلول لودھی کے عہد میں دہلی کے مفتی تھے۔ وفات آپ کی دہلی ہی میں ۹۳۲ھ میں ہوئی۔ حوض شمسی پر متصل خانقاہ ملک زین الدین مدفون ہوئے۔

مولانا شعیب۔ مولانا منہاج کے بیٹے تھے۔ عالم باعمل فقیہہ فاضل۔ واعظ بے نظیر۔ جب وعظ کہتے یا قرآن پڑھتے کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ بغیر وہاں کھڑا ہونے کے آگے گذر جائے۔ باپ کے ساتھ دہلی چلے آئے تھے۔ اکثر اکابر اور علمائے دہلی آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ آپ کے تلامذہ میں اکثر بڑے بڑے آدمی بھی تھے۔

میر محمد رضا۔ مثنوی مولانا روم کے شارح تھے۔ بعہد شہنشاہ شاہجہان خان جہان بہادر ظفر جنگ کو کلتاش کے ہمراہ منصبداری کے عہدہ پر دکن میں تعینات تھے۔

ملا محمد فاضل لاہوری۔ گیارہویں صدی ہجری کے علمائے لاہور میں

آپ نامی عالم گزرے ہیں آپکے درس میں دُور دُور سے لوگ آتے تھے۔

خواجہ بہاری۔ ملا محمد فاضل لاہوری کے شاگردوں میں تھے۔ علوم فقہ و حدیث و تفسیر کے عالم۔ اور واقعہ نویس۔ اسرار حقانی بہار سے لاہور میں آئے۔ اور ملا محمد فاضل لاہوری سے دستار فضیلت حاصل کی۔ آپ ملا محمد فاضل ہی کے گھر میں بھی رہتے تھے۔ آخر میں حضرت میانمیرؒ کے مریدوں میں داخل ہو کر خلفائے اعظم میں شمار ہوئے ۱۰۴۵ھ میں بزمانۂ شاہجہان بمقام لاہور وفات پائی۔

شاہ رضا قادری۔ شطاری لاہوری کے نام سے مشہور ہیں۔ علوم ظاہری میں صاحب فتوے اور علوم باطنی میں اہل ارشاد تھے۔ مشائخ متاخرین میں فتوحات ظاہری و باطنی سے آپ بادشاہ تھے۔ وفات ۱۲ جمادی الاول ۱۰۴۵ھ کو ہوئی۔ مزار آپ کا لاہور میں ہے۔

شیخ جان محمد لاہوری۔ شریعت فقہ اور حدیث میں عالم کامل اور طریقت و معرفت میں مقتدائے زمانہ تھے۔ لاہور کے محلہ پریز آباد میں جس کی آبادی شہر سے باہر تھی اور جہاں اب گڈھی شاہو آباد ہے۔ رہتے تھے صفر سنہ میں شیخ عبد الحمید خلیفہ شیخ اسماعیل المعروف بہ میاں وڈا (کلان) لاہوری سے علم حاصل کیا۔ ایک دن میاں صاحب نے آپ سے کہا۔ اے لڑکے اگر تو عالم فاضل اور صاحب تحصیل ہو جائے تو کیا ہمارے ساتھ احادیث میں بحث کیا کریگا۔ آپ ادب اور شرم و حیا کی وجہ سے خاموش رہے۔ اس پر شیخ عبد الحمید نے آپ سے کہا۔ کہو اگر آپ کی توجہ سے تحصیل علم میں فائز المرام ہو جاؤں۔ تو آپ کی خدمت میں حاضر ہونگا۔ چنانچہ آپ نے حضرت میاں صاحب سے اسی طرح عرض کیا۔ میاں صاحب نے ہاتھ اٹھا کر آپکے حق میں دعا کی۔ جو درجۂ اجابت کو پہونچگئی۔ شیخ عبد الحمید نے جب دیکھا۔ کہ اس نوجوان شاگرد کا طائر ہمت بلند پروازی میں ہے۔ اور ان کی علمی طاقت مجھ سے زیادہ ہو گئی ہے تو آپ کو رخصت کر کے شیخ تیمور کے درس میں داخل کیا۔ جو اس وقت لاہور کے اکابر علماء میں تھے۔ شیخ جان محمد مرحوم تک آپ کے درس میں حاضر ہوتے رہے۔ اور دستار فضیلت

بھی آپ نے مولانا شیخ تیموری کی درسگاہ سے حاصل کی تھی۔ آخر میں تا حیات میاں وڈا صاحب سے احادیث کا تکرار فرماتے رہے سنہ ۱۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ پہلے محلہ پرویز آباد میں دفن ہوئے۔ چند سال کے بعد حضرت میاں وڈا صاحب کے احاطہ مزار میں دفن کیے گئے۔

مولانا ابراہیم جامع - لاہور کے نامی علماء میں تھے پینسٹھ سال تک مسند فیض رسانی پر متمکن رہے منطق، فلسفہ معقول و منقول، حدیث و فقہ سب میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ہزارہا طلبا آپ کی درسگاہ سے مستفید ہوئے۔ تاریخ فرشتہ کے مقالہ سلاطین ملتان میں آپ کا تذکرہ مندرج ہے۔ آخر عمر میں اپنے بیٹے مولانا سعد اللہ کے پاس ملتان میں رہتے تھے۔ اور درس تدریس وغیرہ سے کنارہ کش ہو کر گوشۂ تنہائی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ جب سنہ ۹۳۲ھ میں شاہ حسین ثانی بن شاہ محمود لنگاہ والئی ملتان پر میرزا شاہ حسین ارغون نے حملہ کیا۔ تو یہ بھی قید ہو گئے۔ چونکہ صاحب رسوخ و اقتدار تھے۔ عمارات عالیشان تھیں۔ اور شہر کے نامی رئیس تھے۔ اس گمان پر ان کو گرفتار کر کے میرزا اور اس کے وزیر کے حضور میں لائے۔ مولانا ابراہیم کا بیٹا مولانا سعد اللہ لکھتا ہے۔ باپ کی گرفتاری کے بعد میری نوبت بھی آئی۔ جب میں وزیر کے پاس پہنچا۔ تو اس کے حکم سے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئیں۔ مولانا سعد اللہ لکھتے ہیں۔ مجھے اپنا تو اتنا فکر نہیں تھا۔ لیکن اپنے بوڑھے باپ کی ذلت و اہانت دیکھ کر میں زار زار روتا تھا۔ وزیر نے قلمدان طلب کیا۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ الٰہی اگر وزیر نے کچھ لکھنا ہے۔ تو تجدید وضو کر کے لکھے۔ خدا کی قدرت۔ وزیر اسی وقت اٹھ کر چلا گیا۔ اس وقت اس جگہ میں اور میرے باپ کے سوا وہاں کوئی نہ تھا۔ میں چوکی کے قریب پہنچا۔ اور اس پرچہ کاغذ پر جو وزیر نے لکھنے کے لئے باہر رکھا تھا۔ قصیدہ بردہ کا یہ بیت جا کر لکھ دیا ؎

فما یعینک ان قلت انفضا ھتا ۔۔۔ وما یقلبک ان قلت یستقم بھم

وزیر نے واپس آکر جب یہ شعر دیکھا۔ پہلے تو حیران ہوا۔ کہ کس نے لکھا اور کس کو جرأت ہوئی۔ آخر مجھ سے پوچھا۔ کیا تم نے یہ شعر لکھا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اُس نے میرا حال پوچھا۔ میں نے اپنی اور اپنے باپ کی کیفیت بیان کی۔ وزیر میرے باپ کے ساتھ ادب سے پیش آیا۔ اپنے ہاتھ سے بیڑیاں میرے پاؤں سے علیحدہ کیں اور پیراہن جو پہنے ہوئے تھا۔ مجھے عنایت کیا۔ اور اسی وقت سواری میں بٹھا کر میرزا شاہ حسین کے دیوان خانہ میں لیگیا۔ میرے باپ کے علم و فضل کا بیان کیا۔ میرزا کے طلب کرنے پر وہ اندر آئے۔ اس وقت میرزا کی مجلس میں ہدایہ فقہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ میرزا نے ایک خلعت مجھے اور ایک میرے والد کو عطا کیا۔ میرے والد نے میرزا کے حکم سے باوجود اس تردد اور پریشانی کے فقہ کا بیان اس وضاحت و صراحت سے کیا۔ کہ حضار مجلس دنگ رہ گئے۔ میرزا نے حکم دیا۔ کہ مولانا کا اثاث البیت جس قدر غارت ہوا ہے۔ سب ہم پہنچایا جائے۔ اور جو کمی رہ جائے۔ وہ خزانہ سے پوری کی جائے۔ پھر مولانا ابراہیم سے کہا میری مصاحبت اور ہمراہی اگر آپ قبول فرمائیں گے۔ تو میری اس سے عزت افزائی ہوگی۔ مولانا نے کہا۔ اب حیات مستعار اپنے آخری لمحوں پر ہے بالقبول استاد داغ ؎

اب داغ کا وہ حال ہے دم جیسے ہو باقی
خورشید لب بام ہیں یا شمع سحر ہیں

اب وقت آخرت کے سفر کا ہے نہ بادشاہوں کی ہمسری کا۔ چنانچہ اس واقعہ کے دو مہینے کے بعد ۹۳۲ھ میں ملتان ہی میں انتقال فرمایا۔

حاجی یار محمد۔ عالمگیر اور اس کے بیٹے شاہ عالم بہادر شاہ کے زمانہ میں فضلائے لاہور میں سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ بہادر شاہ[1] نے اپنے سال

---

[1] بہادر شاہ ان دنوں لاہور میں مقیم تھا۔ اور تعجب ہے۔ کہ عالم فاضل ہو کر بعض ایسی خفیف حرکتیں کرتا تھا۔ جس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کو رنج ہوتا تھا۔ بلکہ جانوروں تک کو بھی تکلیف

جلوس چہارم میں ۱۱۲۱ھ کو بعض امامیہ علماء کے ایماء سے خطبہ میں حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ "ولی اللہ وصی رسول اللہ" داخل کرنا چاہا۔ علمائے اہلِ سنت نے اس پر ایک شورِ عظیم برپا کیا۔ یہاں تک کہ شہر میں شورش پیدا ہو گئی۔ بادشاہ ان دنوں خود لاہور میں موجود تھا۔ اس نے شہزادہ عظیم الشان کو ایک خطیب کے ساتھ جامع مسجد میں بھیجا۔ کہ جدید خطبہ وہاں پڑھا جائے۔ خطیب ابھی مسجد میں داخل ہوا ہی تھا۔ کہ کسی نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ اس نے علمائے اہلِ سنت کے دو تین مولویوں کو جن میں سب سے بڑے حاجی یار محمد اور محمد مراد تھے۔ بلوایا۔ بادشاہ نے مسئلہ گفتگو چھیڑا۔ حاجی یار محمد نے بادشاہ کی ہر بات کا گستاخانہ اور بیباکانہ رد کیا۔ بادشاہ نے برآشفتہ ہو کر کہا تو بادشاہوں کے غضب سے نہیں ڈرتا۔ کہ اس جرأت اور جسارت سے کام لے رہا ہے۔ حاجی یار محمدؒ نے کہا۔ مجھے خداوند کریم سے چار چیزوں کی خواہش رہی ہے تحصیلِ علم۔ حفظِ کلام اللہ۔ حج اور شہادت۔ الحمدللہ۔ تین نعمتوں سے بہرہ ور ہوں۔ شہادت کی آرزو باقی ہے۔ کیا عجب ہے۔ بادشاہ کی توجہ سے کامیاب ہو جاؤں۔ تاریخ ہندوستان جلد نہم (مولوی ذکاء اللہ) میں لکھا ہے۔ کہ حاجی یار محمد کی فضیلت و عزت شہر بلکہ سارے پنجاب میں اس قدر تھی۔ کہ ایک لاکھ آدمی اس شورش میں اس کے ساتھ تھا۔ آخر بہادر شاہ نے مجبور ہو کر جدید خطبہ

دیتا تھا۔ چنانچہ لاہور میں اس نے سنگ کشی کا حکم بھی دیا۔ سینکڑوں اور ہزاروں کتے بادشاہی حکم سے مارے گئے۔ لاہور میں ایک عظیم الشان دربار بھی کیا تھا۔ جس میں شہزادگان دربار یوں اور وزراء امراء کے علاوہ اور لوگ بھی تھے۔ شاہجہان کا شاہی خیمہ دل بادل بھی اس موقعہ پر مستعمل کیا گیا تھا۔ لاہور کا شاہ عالمی دروازہ اسی بادشاہ کے نام پر ہے۔ بادشاہ کا انتقال بھی لاہور ہی میں ۲۷۔ فروری ۱۷۱۲ء کو ہوا تھا۔ (از تاریخ لاہور انگریزی خان بہادر شیخ محمد لطیف مرحوم)

کا خیال چھوڑ دیا۔ اور وہی خطبہ رکھا۔ جو عالمگیر کے زمانہ سے جاری تھا لیکن بادشاہ کے دل میں چونکہ گرہ بیٹھ گئی تھی۔ اس لئے اس نے موقعہ پاکر حاجی یار محمد اور دو اور علمائے لاہور کو جن سے وہ آشفتہ خاطر تھا۔ قلعہ میں نظر بند کر دیا۔

شیخ تیمور۔ یہ وہی بزرگ ہیں۔ جن کا تذکرہ شیخ جان محمد کے حالات میں آچکا ہے۔ عالم متبحر اور یگانۂ عصر تھے۔ ان کی درسگاہ سے بے شمار طالبان علم کو فائدہ پہونچا۔ لاہور کے مشہور شیخ حامد قاری بھی آپ کے مریدوں اور شاگردوں میں تھے۔

مولانا محمد عابد۔ علم و عمل اور ورع و تقوے میں علمائے عصر اور اولیائے وقت پر سبقت لیگئے تھے۔ آپ کے حلقۂ مجلس میں دو سو علماء و صلحاء روزانہ بیٹھتے تھے۔ آپ لاہور سے حرمین شریفین تک پا پیادہ پہونچے ہیں۔ آپ صاحب تصانیف تھے۔ فارسی اور عربی میں کئی کتابوں کی شرح اور حاشیے لکھے ہیں۔ ۱۸ ماہ رمضان سنہ ۱۱۷۰ھ کو وفات پائی۔ اور لاہور میں دفن ہوئے۔

مولانا محمد صدیق بن محمد حنیف بن محمد لطیف۔ عالم۔ فاضل۔ فقیہ اور محدث اور اعلےٰ درجہ کے ادیب اور اہل قلم تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد کابل سے آکر مسجد وزیر خان لاہور کے امام ہوئے۔ ۲۹ محرم یوم دوشنبہ سنہ ۱۱۲۸ھ / ۱۷۱۶ء کو بعہد فرخ سیر آپ لاہور میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں مولانا محمد عابد صاحب تعلیقات تفسیر بیضاوی سے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ بسم اللہ شروع کی۔ بعد میں اور علمائے وقت سے جن میں مولانا محمد عابد مرزا مظہر اللہ۔ ملا حفیظ اللہ۔ مولوی عبداللہ۔ ملا ظہور اللہ اور مولانا شہر یار قابل ذکر ہیں فقہ و حدیث وغیرہ علوم معقول و منقول کی تکمیل کی۔ آپ حدیث کی سند علمائے مکہ و مدینہ سے بھی سنہ ۱۱۶۰ھ میں لائے۔ بہت سی کتابیں آپ نے تصنیف کیں۔ جو فقہ، حدیث اور تفسیر میں ہیں ان میں ایک کتاب ایسی بھی ہے۔ جو فیضی کی بے نقط تفسیر "سواطع الالہام" کے مقابلہ میں بے نقط لکھی ہے۔ یہ کتاب آپ نے ۱۸ پہر میں تصنیف کی تھی۔ وفات آپکی سنہ ۱۱۹۳ھ / ۱۷۸۲ء میں بعہد تیمور شاہ درانی ہوئی۔

مفتی محمد باقر۔ ان کا خاندان قدیم شاہان اسلام کے زمانہ سے ممتاز و معزز چلا آتا تھا اس زمانہ میں شہر کے چار حصے کر کے اس میں چار مفتی مقرر کئے جاتے تھے۔ اور آخر میں ان سب پر ایک قاضی مقرر ہوتا تھا۔ مقدمہ پہلے مفتی کے پاس آتا تھا۔ یہاں سے تکمیل کے بعد محکمہ افتا میں تحریر رائے و حکم کے لئے قاضی کی خدمت میں جاتا اور وہاں سے حکم اخیر نافذ ہو جاتا تھا مفتی محمد باقر شاہجہان کے زمانہ میں لاہور کے ایک حصہ کے مفتی تھے۔ علم و فضل گھر کی میراث تھا۔ اس لئے سرکار دربار میں بڑی عزت سے دیکھے جاتے تھے عالیشان مکانات کے مالک تھے لیکن اب نہ مکانات کا پتہ ہے نہ اولاد کا۔ صرف ایک یادگار باقی ہے جس کا نام چوہٹہ مفتی محمد باقر ہے۔

شیخ مخدوم۔ محمد تغلق شاہ دہلی کے عہد میں ملتان سے لاہور آئے۔ اور عہدہ افتا پر مامور ہوئے۔ شیخ بہاؤ الدین ذکریا کی اولاد اور خود صاحب علم و فضل ہونے کی وجہ سے شہر میں بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ہیبت پور پتی (پرگنہ قصور) جس کو اب پٹی کہتے ہیں۔ جاگیر میں ملا تھا۔ محلہ علاول خاں لوہاری (اب محلہ سادھواں) میں خاص اپنا محلہ آباد کیا۔ جو کوٹلی مفتیاں کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بیٹے مفتی شیخ کمال الدین قریشی نے اپنے علم و فضل اور سلوک نیک کی وجہ سے باپ سے بھی زیادہ عزت حاصل کی۔

شیخ کمال الدین قریشی۔ سلطان بہلول لودہی کے زمانہ میں اس نامور عالم نے ایک مسجد محلہ کوٹلی مفتیاں میں تعمیر کی۔ صحن مسجد کا بہت فراخ رکھا۔ تاکہ درس گاہ کا کام دے۔ اور حجرے بہت بنوائے۔ تاکہ طلبا اور درویش اس میں رہ سکیں۔ چھ پشت تک اس کی اولاد اسی مسجد میں درس دیتی رہی۔ سکھوں کی غارت نے اس محلہ کو اجاڑ دیا مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں کچھ آباد ہوا

مفتی شیخ مکرم۔ مفتی شیخ کمال الدین قریشی کی اولاد سے تھے۔ یہ خاندان عہد اسلام سے اسی عہدہ پر چلا آتا تھا۔ جب احمد شاہ درانی پنجاب کا بادشاہ ہوا۔ اور لاہور میں آیا۔ تو اس وقت یہی شیخ مکرم لاہور کے مفتی تھے۔ بادشاہ نے ایک فرمان شاہی خیرہ

ماہ رمضان المبارک ۱۱۷۰ھ کے لگ بھگ آپ کے صاحب افتا ہونے کی تجدید کی۔ اور خلعت عطا فرمایا۔

مفتی رحمت اللہ۔ یہ بھی شیخ کمال الدین قریشی کے نامی خاندان سے تھا۔ مفتی رحمت اللہ لاہور کا ایک عالم جید گذرا ہے۔ اس نے بجائے فتاوی جاری کرنے کے اپنا درس جاری کیا تھا۔ جہاں شہر کے ہندو مسلمان پڑھتے تھے۔ اس کے بیٹوں کے زمانہ میں لاہور سکھوں کی دستبرد سے تباہ ہو چکا۔ اور رعایا پے در پے تباہی قحط کی وجہ سے لاہور سے بھاگ رہی تھی۔ یہ خاندان بھی اسی زمانہ میں تباہ ہو گیا۔ ان کے مکانات لوٹے اور تباہ کئے گئے۔ مفتی غلام سرور لاہور کا مشہور مصنف اور شاعر اسی خاندان سے تھا۔ جس کے انتقال کو قریباً تیس سال گذر چکے ہیں۔

خواجہ ایوب۔ مفتی محمد تقی (مفتی شیخ مکرم کے پڑدادا کا باپ اور مفتی کمال الدین کے پڑپوتے کا دادا) بڑا عالم فاضل۔ عربی فارسی کا جید مصنف۔ مثنوی مولانا روم کی ایک شرح اس نے فارسی میں لکھی ہے جس کی تاریخ ہے "طرفہ شرح مثنوی جانفزا"۔

شیخ محمد طاہر بندگی۔ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کے مرید تھے۔ علم و فضل کے ساتھ فقر و تصوف کی چاشنی بھی رکھتے تھے۔ اس زمانہ میں ہندوستان کی حکومت شہنشاہ جہانگیر کے قبضہ اقتدار میں تھی۔ مزنگ کے قریب آکر قیام کیا۔ ہزارہا لوگ مرید و معتقد ہو گئے۔ چونکہ علوم ظاہری و باطنی میں صاحب کمال تھے۔ اس لئے ایک مدرسہ بھی جاری کیا۔ جہاں علوم فقہ، حدیث و تفسیر طلبا کو مفت پڑھایا جاتا تھا۔ یہ مدرسہ کئی سال تک جاری رہا۔ اور افسوس ہے کہ آپ کی وفات (۵ محرم ۱۰۴۰ھ) کے بعد یہ مدرسہ جاری نہ رہا۔ حضرت شیخ محمد طاہر کی زندگی ہی میں ان کے فقر و تصوف اور مدرسہ کے اجرا کی وجہ سے یہاں عالیشان بستی قایم ہو گئی تھی۔ جس کا نام میانی اس وجہ سے مشہور ہو گیا۔ کہ پنجابی زبان میں میانا، ملا اور مولوی کو کہتے ہیں۔ یہاں ایک قیمتی کتب خانہ بھی تھا۔ جب سکھوں نے مزنگ کو لوٹا، تو میانی کو بھی تباہ کیا گیا۔ تاریخ لاہور (مصنفہ رائے کنہیا لعل لاہور) میں لکھا ہے۔ کہ غارتگروں نے ہزاروں کتابیں جنس ناکارہ سمجھ کر باہر

پھینک دیں۔ اور چونکہ اس محلہ سے جہاں درویش اور عالم لوگ رہتے تھے۔ ان کو کچھ بن نہ سکا۔ اس لئے غصہ کے مارے محلہ کو آگ لگا دی۔ اور بالکل خاکستر کر دیا۔ شیخ محمد طاہر بندگی کا مزار مرجع خلائق ہے۔ اور ان کے مدرسہ کی عمارت ۱۸۴۹ء تک کسی قدر موجود تھی۔ محلہ میانی کی ویرانی کے بعد لوگوں نے اس کو قبرستان بنا لیا۔ جو آجتک بطور قبرستان ہی چلا آتا ہے۔ تذکرہ مجدد یہ آپ کی تصنیفات سے ہے۔ جس میں آپ کے وہ خطوط درج ہیں۔ جو آپ نے حضرت شیخ مجدد الف ثانی رح اپنے مرشد کو لکھے تھے۔

منشی عنایت اللہ مصنف بہار دانش۔ بہار دانش بہت پرانی اور بہت مشہور کتاب ہے۔ زمانہ قدیم میں تمام مدارس میں اس کی تعلیم جاری تھی۔ اب بھی یہ کتاب مقبول عام ہے۔ اس کے ترجمے انگریزی اور اردو میں بھی موجود ہیں۔ بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ اس نامور کتاب کا مصنف شہر لاہور ہی کا رہنے والا تھا۔ عنایت اللہ قوم کا کمبوہ تھا۔ اور اپنی علمی فضیلت کی وجہ سے دربار شاہجہانی میں بہت عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ صوبہ لاہور بھی بہ تعظیم و تکریم پیش آتا تھا۔ محمد صالح کمبوہ مصنف عمل صالح (تاریخ عہد شاہجہان) اسی کا داماد اور بھانجہ تھا۔ عنایت اللہ عہدہ کے لحاظ سے صوبہ لاہور کے دفتر میں سر دفتر (میر منشی) تھا۔ ۱۰۶۸ھ میں بعہد عالمگیر انتقال کر گیا۔ شیخ محمد صالح نے اس کا عالیشان مقبرہ تیار کرایا۔ اب مقبرہ کی بجائے ایک کوٹھی ہے۔ اور اس میں صاحبان انگریز رہتے ہیں۔

شیخ محمد صالح کمبوہ۔ لاہور کے نامور عالموں میں تھا۔ اس کی طباعی، ذہانت اور قابلیت سارے ہندوستان میں مسلمہ تھی۔ صوبہ لاہور کا دیوان تھا۔ اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے شاہجہان کے دربار تک رسائی رکھتا تھا۔ عمل صالح اس کی ایک مشہور اور مستند کتاب ہے۔ جس میں عہد شاہجہانی کے واقعات مندرج ہیں اس نے ایک خوبصورت مسجد ہزار روپے کے صرف سے موچی دروازہ کے اندر بنائی۔ جو باوجود پونے تین سو سال گذرنے کے اب تک اپنے نقش و نگار اور رنگینی کی وجہ سے نئی نظر آتی ہے۔ یہ مسجد ۱۰۴۱ھ میں اختتام کو پہنچی تھی ۱۰۴۳ھ میں

بزرگوار زیب خطہ صالح کا انتقال ہوگیا۔ اور اپنے آبائی مقبرہ میں منشی عنایت اللہ کے پہلو میں دفن ہوا۔ بھکھوں نے خطہ صالح اور عنایت اللہ کے عالیشان مقبروں کو گرا کر وہاں بارود خانہ قائم کیا۔ انگریزی عہد میں یہ مقبرہ کوٹھی کا کام دیتا رہا۔ ایک گنبد میں جہاں ان کی اولاد کی قبریں تھیں۔ اب باورچی خانہ ہے۔ ایک گنبد گھی خانہ کا کام دیتا ہے۔ اور مقبرہ میں انگریز رہتے ہیں۔

سید معین الدین سید مٹھا۔ ان کا باپ سید جمال الدین چنگیز خاں تاتاری کے مظالم سے تنگ ہو کر خوارزم سے خوقی آیا۔ اور جب چنگیز خاں نے غزنی کو بھی فتح کر لیا تو وہ بھاگ کر لاہور چلا آیا۔ اس وقت اس کا نوجوان بیٹا سید معین الدین اس کے ہمراہ تھا۔ جمال الدین خود بھی عابد و زاہد تھا۔ اور معین الدین بھی علم و فضل اور زہد و ریاضت میں درجہ کمال رکھتا تھا۔ اس لیے بہت لوگ ان کے معتقد ہو گئے۔ جمال الدین کے مرنے کے بعد تمام خلقت کا رجحان سید معین الدین کی طرف ہو گیا۔ جنہوں نے اپنی خوش خلقی و شیریں کلامی سے سید مٹھا کا خطاب پایا۔ ۱۰۶۲ھ میں انتقال ہوا اور محلہ سید مٹھا میں جو آپ ہی کے نام پر آباد ہے دفن ہوئے۔ آپ کے پاس تحصیل علم اور فیض روحانی حاصل کرنے کے لیے دور دور سے لوگ آتے تھے۔

شاہ رحمت اللہ قریشی۔ عالمگیر کے زمانہ میں ایک نہایت عالم فاضل بزرگ گذرے ہیں۔ فقہ و حدیث پر بہت عبور رکھتا تھا۔ صاحب تصرف ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ آپ کے مرید بھی تھے۔ آپ کا مزار بی بی پاکدامناں کے مزار کے شمال کی طرف ہے

شیخ حامد قاری۔ محمد شاہ روشن اختر کے زمانہ میں آپ لاہور میں صاحب فتوے تھے۔ آپ ایسی خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ کہ در و دیوار تک وجد میں آجاتے تھے۔ اس لئے قاری کہلاتے تھے۔ اور آخر میں یہ لفظ نام کا جزو ہو گیا۔ شہر لاہور سے باہر دو دو تین تین میل تک شہر کی بیرونی آبادی پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کا قیام حضوری باغ میاں وڈالہ کے متصل تھا۔ وہاں ایک مسجد بنائی اور درس جاری کیا۔ کئی سو لوگ آپ کے علم و فضل سے مستفیض ہوتے تھے۔ موزعین [illegible]

بیت تھا جو لاہور کے وحید العصر عالم تھے مسجد ۱۱۴۱ھ عربی تعمیر کی جیسا کہ قطعہ ذیل سے ثابت ہوتا ہے

خداوندا ست کردارم بیاد — چو خوش مسجد از دست یکیں نہاد

خرد گفت در سال تاریخ آں — ز آفات دہلی زوالش مباد

۱۱۴۱ھ ابتدائے سلطنت عالمگیر میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ بعہد نواب ذکریا خاں بہادر صوبہ لاہور ۱۱۶۲ھ میں وفات پائی۔ ملفوظات اور حرست حقہ دو کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ مگر نایاب ہیں۔ شیخ حامد کے باپ کا نام حسن راجپوت تھا۔ جو لاہور کے نہایت جید عالموں میں تھے آپ کا مقبرہ لاہور سے مشرق کیطرف پڑاوہ بدھو سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔

محمد شاہ بادشاہ نے مدرسہ حضرت حامد قاری کے لئے پچاس بیگہ زمین عنایت کی مدرسہ کے مصارف کے لئے بذریعہ فرمان عطا کی مصنف تحفۂ قادریہ چشتی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت شاہ محمد غوث حضرت میاں میر کی درگاہ سے ہو کر ایک دن حضرت حامد قاری کے پاس گئے۔ اور طلب استفادہ کیا۔ انہوں نے ازراہ کشف فرمایا حضرت میاں میر نے آج رات کو جو وظیفہ تمہیں عطا کیا ہے۔ وہ کافی ہے۔ مگر یہ واقعہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شاہ محمد غوث کا انتقال ۱۰۷۱ھ میں ہوتا ہے۔ اور حامد قاری کا ۱۱۰۶ھ میں اور ۱۱۰۹ھ حامد قاری کا سال ولادت ہے۔ اور ۱۰۴۳ھ حضرت میاں میر کا سال وفات ہے۔

حضرت حامد قاری کا رفاہ عبادت مقبرہ نواب ابوالحسن آصف خاں شاہجہانی کے مہتمم بنائے تھے۔ جہاں لاکھوں روپے کے سالانہ اخراجات ہوتے تھے۔ تقسیم معاملات حضرت حامد قاری ہی کی مصروفیت ہوتے تھے۔

نواب آصف خاں وہ شخص ہیں جو نور جہاں بیگم کا بھائی اور جہانگیر کا وزیر تھا۔ آصف خاں دراصل ایک ایرانی شاہی ہے جو شاہان مغلیہ سے اکثر اعزاز کو پایا ہے۔ نواب ابوالحسن بن آصف خاں بعہد شاہجہانی کا ایک بہادر سپاہی تھا۔ بعہد شاہجہان لاہور میں نہایت عالیشان عمارتیں تعمیر کرائیں۔ اس کا مقبرہ اسی کی بیوی مخدومہ بیگم نے تیار کرایا۔ [illegible] وقف کر دیئے۔ [illegible] مقبرہ حامد قاری مقرر ہوئے۔ [illegible] نواب ذکریا خاں بہادر صوبہ لاہور [illegible] مقبرہ آصف خاں [illegible] ۱۱۶۲ھ [illegible] ۱۱۶۲ھ [illegible] ۱۱۶۲ھ

شاہ ابو المعالی قادری

اصل نام شاہ خیر الدین ہے۔ آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے عام لوگ آپ کو صرف ایک ولی اور بزرگ کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ بالاتفاق آپ کا اصل بزرگی اور اصل ولایت آپ کا علم و فضل تھا۔ اور آپکی یہ تصنیفات ہیں جو علم دین اور علم تصوف میں آپ نے تصنیف کی ہیں آپکے زہد و اتقا اور آپ کے مرید متبحر ہونے کی وجہ سے آپ کی زندگی ہی میں آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔

دہم ماہ ذوالحجہ بروز عید سنہ ۱۰۲۶ھ میں زمانہ اکبر پیدا ہوئے۔ اور ۱۸ ربیع الاول سنہ ۱۰۸۵ھ کو زمانہ شاہجہان ۱۰۵ سال وفات پائی۔ آپ کی اولاد بے شمار ہے۔ اور موجودہ جانشین کا نام ابو صالح محی الدین شاہ ہے۔ جن کے پاس آپ کی اکثر قلمی تصانیف موجود ہیں۔ مقبرہ جو نہایت عمدہ عمارت ہے۔ مقبرہ آپ نے اپنی زندگی ہی میں تعمیر کرایا تھا۔ ساتھ ہی مسجد بھی بنوائی تھی جو اب موجود ہے۔ سکھوں کے عہد میں غوثی خاں جرنیل توپخانہ نے کچھ اور بھی ابرادکیا۔ مقبرہ کی ابقیہ حصہ آپکے فرزند شاہ محمد باقر نے تعمیر کرایا۔ بادشاہ نامہ میں لکھا ہے۔ کہ ان کا اصل وطن جھیرہ (شاہپور) تھا۔

مولوی ہاشمی لاہوری

جہانگیر اور شاہجہان کے زمانہ میں ان کے علم و فضل کا لاہور میں چرچا تھا۔ ان کے فتوے کو تمام مسلمانان لاہور قبول کرتے تھے۔ دونوں بادشاہوں کے دربار میں ان کا بڑا درجہ رہا۔ شاہجہان کی تخت نشینی کے بعد عالمگیر کا زمانہ آیا۔ اس نے بھی ان کی عزت کو برقرار رکھا۔ سنہ ۱۰۸۶ھ میں بعہد اورنگ زیب عالمگیر انتقال کر گئے۔ قبر ان کی احاطہ باغبانپورہ میں متصل چار دیواری شیخ طاہر بندگی میں ایک پرانے چاہ اور مسجد کے اب تک موجود ہے۔ آپ بڑے عالم و فاضل تھے۔ ان کا تمام وقت درس و تدریس میں گذرتا تھا۔ نہایت فاضل شاعر بھی تھے۔ ایک رباعی ان کی حسب ذیل ہے

ہر کہ کہ دل از دلدار دنیا برداشتہ ۔۔۔ عاقبت از شمار در دنیا برداشتہ

گویند کہ بر سر گاؤ است ۔۔۔ گاؤ است کہ بار دنیا برداشت

حضرت عبد الجلیل چوہڑ بندگی

سلطان التارکین حضرت جلال الدین حاکم کے خاندان سے ہیں جنہوں نے بیچ مکران کی حکومت ترک کر کے فقر اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ سلطان التارکین فرماتے ہیں ۔۔

ما کہ عالم بہ لبشت پا زدہ ایم | تو چہ دانی چہ پک باز نسیم
ہست پروانہ ما زعرش رفیع | اللہ اللہ چہ شاہ باز نسیم

حضرت عبدالجلیل ہمو مبارک (بجاوا پور) سے بعہد سلطان بہلول لودھی لاہور میں آئے اشاعت علم دین میں آپ نے بڑا حصہ لیا۔ سلہریہ۔ بھٹی۔ کھوکھر اور چوہان وغیرہ راجپوت آپ کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوئے۔ تذکرہ قطبیہ وغیرہ مطبوعہ اسے جو آپ کی اولاد سے ہیں ہے اور ان کے مصنف جلال الدین ابوبکر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ کے قیام کے دوران آپ نے کچھ درس جاری کیا تھا۔ واپسی پر جہاں جہاں رہے درس برابر جاری رہا۔ پنجاب آنے پر لاہور کے ہمراہ اشخاص آپ کے درس حدیث و قرآن کے علمی نکات سے بہرہ اندوز ہوئے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک شاگرد آپ سے فوائد الفواد کا سبق پڑھ رہا تھا۔ کہ شیخ بہاء الدین ذکریا وغیرہ بزرگان دین کا ذکر آگیا۔ شاگرد نے بحسرت و افسوس کہا۔ وہ زمانہ کیسا اچھا تھا کہ ایسے ایسے بزرگ ایک ہی وقت میں موجود تھے۔ اب آپکی ذات کے سوا کون نظر آتا ہے۔ فرمایا۔ دوست کا کارخانہ مدام معمور ہے۔ پہچاننے والے مفقود ہیں۔ اور یہ شعر پڑھا ؎

یوسفے ہمراہ خود دارند و باپس مے برند | یک زلیخا ہستے کو با دریں بازار نیست

آپ کے علم و فضل اور آپ کی شرافت و بزرگی کو دیکھ کر سلطان بہلول لودھی نے اپنی بیٹی آپ کے لڑکے میں دی جس سے آپ کی اولاد میں اس وقت پیر محمد اشرف عالم شاہ صاحب اور صاحبزادہ غلام دستگیر صاحب نامی ہیں۔ آپ کی دوسری بیوی کے بطن سے آپ کی اولاد علاقہ بار میں موجود ہے۔ دونوں بیویوں کی اولاد بہیئت مجموعی نہایت اچھی حالت میں ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کا کثیر حصہ زیور علم سے عاری ہے۔

آپ کا مزار قلعہ گوجر سنگھ (لاہور) کے پاس میکلوڈ روڈ پر آپ کے خلیفہ شیخ موسیٰ آہنگر کے سر گنبد والے روضہ کے شمال کی طرف خانقاہ کے احاطہ میں ہے۔ خانقاہ کی عمارت بہت شکستہ تھی۔ مگر نامی صاحب کی سعی سے چاردیواری وغیرہ کی از سر نو تعمیر ہوئی ہے مسجد کا حرس بھی انہی کی کوشش سے کیا۔ رجب المرجب کو عرس ہوتا ہے خانقاہ کے ساتھ چند بیگھ زمین بھی ہے جو قریباً اٹھارہ کنال رہ گئی ہے۔ اگر جناب اشرف الدین صاحب کو توجہ

زین ایک دار العلوم بن سکتی ہے۔ جہاں حضرت شیخ عبد الجلیل کا فیضانِ علم ہمیشہ جاری رہ سکتا ہے۔

شیخ محمود کمال ہمایوں کے زمانہ میں لاہور کے نہایت نامور عالموں میں تھے۔ جہانگیر اپنی تزک میں ان کا ذکر کرتا ہے اور لکھتا ہے جنت آشیانی ہمایوں ان کی نہایت عزت کرتے تھے۔ ان کے دل میں ان کی یہاں تک وقعت تھی۔ کہ ایک مرتبہ بادشاہ نے خود ان کے ہاتھ دوا پلائی۔ ان کے علم و فضل سے لاہور کے علاوہ دور دور کے لوگ مستفیض ہوتے تھے۔ مولانا مختار ان کے نامور شاگردوں میں تھے۔

مولانا حسام الدین مولانا سرخ کے نام سے مشہور تھے۔ اس نام کی وجہ نہیں معلوم ہو سکی۔ غالباً رنگ بہت گورا ہوگا۔ اور نہایت سرخ رنگ خوش رنگ ہوتے ہیں۔ ان کا زہد و اتقاء اور ان کا علم لاہور اور پنجاب سے باہر بھی مشہور تھا۔ ریاضیات اور فلسفہ کے خاص عالم تھے۔ اکبر کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوا۔ طبقات اکبری میں بھی ان کا ذکر ہے۔

مولانا اسمٰعیل صاحب طبقات نے ان کا ذکر بھی لاہور کے نامور عالموں میں کیا ہے۔ اکبر کے زمانہ میں لاہور کے مفتی بھی رہے ہیں۔

میر نور اللہ حکیم ابو الفتح کی معرفت اکبر تک رسائی ہوئی۔ اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت جلد بارسوخ ہو گئے۔ شیخ معین الدین قاضی لاہور نے جب انتقال فرمایا۔ اس کی جگہ شہنشاہ کے حکم سے آپ لاہور کے قاضی مقرر ہوئے۔

مولانا عبد القادر اکبر کو لکھنے پڑھنے کی طرف زیادہ توجہ نہیں تھی۔ تاہم مولانا عبد القادر برسوں تک اس کے استاد رہے۔ بادشاہ کے حکم سے حج کو گئے۔ واپسی پر لاہور ہی میں رہے۔ یہیں انتقال کیا۔ اور سوائے عبادت الٰہی کے کسی طرف متوجہ نہ ہوئے۔

مولانا شاہ ابو المعالی قادری باپ کا نام شیخ کاکو تھا۔ لاہور ہی میں بعہد سلاطین لودھی پیدا ہوئے اور یہیں بعہد مغلیہ وفات پائی۔ جمیع علوم کے جامع تھے۔ ان کا درس ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ اور سب لوگ مستفیض ہوتے تھے۔

---

۵ آپ کے والد کا نام شیخ کاکو تھا۔ اکبری میں ان کے باپ کا نام کالو لکھا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ کالو کی مناسبت کی وجہ سے قیدو کالو لاہوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے نام سے ماخذ اس تاریخ تک کا پتہ بھی نہ چلا۔ اس نام کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہو سکی۔

متوکل ایسے تھے کہ ارباب دنیا کے گھر پر کبھی قدم نہ رکھا نہ کبھی امداد کی تمنا ظاہر کی۔ خاموشی پسند تھے۔ باتیں زیادہ نہیں کرتے تھے۔ آخر عمر میں ایک مجذوب کے مرید ہونے سے نفسانیت اور بھی پاک ہو گئے۔ اکبر کے عہد حکومت میں بجز سو سال مقام لاہور رفعت پائی۔ علم فقہ و حدیث پر عبور کامل رکھتے تھے۔ اپنے وقت کے بحر العلوم تھے۔ شیخ سعد اللہ اور شیخ منور جیسے نامور علماء دان کے شاگردوں میں تھے۔

شاہ ابو اسحٰق کا مقبرہ موضع مزنگ (نزیل لاہور) کے مغرب کیطرف مزنگ ہسپتال کے بالمقابل واقع ہے۔ مقبرہ کی شکل چوگوشہ ہے۔ اور اس پر ایک بہت بڑا گنبد ہے۔ مقبرے کے مشرق کی طرف ایک عالیشان مسجد ہے۔ جس کے تین محراب ہیں۔ اور فرش پختہ ہے۔ مقبرے کی اندرونی دیواروں پر قرآنی آیات عربی کے ابھرے ہوئے حروف میں لکھی ہوئی ہیں۔ مغربی دروازہ پر یہ اشعار درج ہیں۔

حضرت شیخ شاہ ابو اسحٰق — بود چوں از خدا خدا طلبش
سوئے حق رفت از سر تحقیق — کہ ہمیں وعدہ بود از ازلش
جست تاریخ فوت او برہان — یافت سلطان عارفاں لقبش

شمالی مغربی کونے پر ۹۳۵ھ درج ہے۔ جنوبی مغربی گوشہ پر ایک اور شاندار گنبد ہے جو اب شکستہ حالت میں ہے۔ اس گنبد کے نیچے (محمد حسین۔ فلک حسین۔ بہار حسین) انکے تینوں بیٹوں کی قبریں ہیں۔ شاہ ابو اسحاق کا ۵ محرم ۹۳۵ھ کو انتقال ہوا۔

شاہ ابو اسحاق کے مقبرے اور مسجد اور بعض متصلہ قدیمی عمارات اور اردگرد کے جدید مکانات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقبرہ اور مسجد کا احاطہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے خواہ ہندو مسلم تھے یا غیر مسلم، قبروں کو مسمار کر دیا۔ اور اب اس مقبرہ کے متصل و ملحق سرکاری و غیر سرکاری مکانات بنے ہوئے ہیں۔ آپ کے مزار پر آپ کا سالانہ عرس ہوتا ہے۔

ملا مصطفےٰ کاتب لاہوری عربی، فارسی کے عالم، نحو تحقیق میں صاحب کمال اور علم تاریخ میں خاص دلچسپی رکھتے تھے ۱۰۰۰ھ میں شہنشاہ اکبر کے حکم سے سات عالموں کو تاریخ الفی لکھنے کا حکم ہوا۔ ملا احمد ٹھٹھوی (استاد مصنف تاریخ فرشتہ) جو تاریخ الفی کے مصنفوں میں سے ایک تھا۔ جب لاہور میں قتل ہو گیا۔ تو ملا عبدالقادر بدایونی کو سنین کی تقدیم و تاخیر، ترتیب واقعات اور تاریخ کے مقابلہ و تصحیح کا حکم ہوا۔ ایک سال تک یہ کام ہوتا رہا۔ ملا عبدالقادر اور آصف خان اور ملا مصطفےٰ کاتب لاہوری نے اس تاریخ کے مقابلہ و تصحیح کو اختتام تک پہنچایا۔

مولانا شیخ منور لاہور میں پیدا ہوئے۔ اور مولانا ابو اسحاق لاہوری کے قابل اور نامور شاگردوں میں تھے۔ باوجود علم کے آباء ہونے کے بڑی قوت حافظہ رکھتے تھے۔ مشارق الانوار (حدیث) اور بدیع البیان کی شرحیں لکھیں۔ اکبر کے دربار میں ابوالفضل اور فیضی اور بعض ایسے ملا، نمازدر تھا جن میں میر صدر جہاں مفتی، میر عبدالحق میر عدل، جیسے عالم بھی تھے جو اکبر کو خوش کرنے کے لئے شراب کی مجلس میں بھی شامل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اکبر نے اپنے ۳۰ سال جلوس میں جب مجلس شراب ترتیب دی۔ اور یہ دونوں علماء نشہ میں مست ہوئے تو اکبر نے خواجہ حافظ کا یہ شعر پڑھا ؎

دردور پادشاہ خطا بخش و جرم پوش　　حافظ قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش

شیخ منور جیسے پابند شرع مولویوں کا اس دربار میں کہاں ٹھکانا تھا چنانچہ اس قسم کے علماء دربار کو ایسی لغو حرکات سے روکتے تھے۔ ابوالفضل کے ایما سے دربار سے نکالدیئے گئے۔ شیخ منور کو قلعہ گوالیار میں قید کیا گیا۔ جہاں ۱۰۱۲ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کا بیٹا شیخ کبیر بڑا عالم تھا وہ بعہد جہانگیر ۱۰۲۶ھ میں الہ آباد میں مر گیا۔ باپ بیٹوں میں سے لاہور میں کوئی بھی دفن نہ ہو سکا۔ شہنشاہ اکبر کے حکم سے مولانا منور نے ملا احمد ٹھٹھوی اور قاسم بیاسی کی مدد سے مجمع البلدان (عربی) کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ اس کتاب میں شہروں اور ملکوں کے حالات درج ہیں۔ شاہ فاضح نامی ایک کتاب بھی مولانا منور ہی کی تصنیف ہے۔

---

۱ منتخب التواریخ ۲ ۱۰۱۲ھ وفات ۱۲ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ

شیخ داؤد چھنی والؒ

آپ کے والدین آپ کو بچپن ہی میں یتیم کر گئے۔ پیدائش ملتان کی تھی۔ شیخ رحمت اللہ آپ کے بڑے بھائی آپکو لاہور لے آئے جہاں ہوش سنبھالنے کے بعد آپ کو مولانا اسمٰعیل آپہ کی درسگاہ میں بٹھایا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں فقہ و حدیث۔ تاریخ و ادب منطق و فلسفہ میں آپ علامی ہو گئے۔ ان کے متعلق عجیب بات یہ ہے۔ کہ حضرت غوث الاعظمؒ کی روح نے ان میں حلول کیا۔ سوائے سخی کی ہنڈیا اور چولہا بوریہ کے بیوی کے پاس کچھ نہ چھوڑتے اور سب کچھ لٹا دیتے حضرت غوث الاعظمؒ کی روح پرفتوح کی بدولت ہر سال باوجود کسی ظاہری سامان کے نہ ہونے کے بڑی دھوم دھام سے میلاد کرتے۔ جس میں ایک لاکھ آدمی کا اجتماع ہوتا سب کو خانقاہ کے لنگر سے کھانا ملتا۔ اہل دنیا کے گھر کبھی نہ گئے۔ سلیم شاہ نے بلایا تو کہلا بھیجا علمائے غائبانہ ہی کام آتے ہیں۔ الفقر فخری ان کا شعار تھا۔ اپنے طالبعلموں کو ایثار کی تعلیم دیتے تھے ۹۵۲ھ میں بزمانہ شہنشاہ اکبر وفات پائی۔ چھنی لاہور کے پاس ایک موضع ہے۔ جہاں آپ کا قیام تھا۔ اس لئے آپ چھنی والؒ کہلائے۔

قاضی صدرالدین عالم قتیرؒ

خوش طبع خوش صحبت اور شیخ مخدوم الملک کے مشہور شاگرد تھے۔ تاریخ ہندوستان جلد پنجم اقبال نامہ اکبری میں لکھا ہے۔ ان کا پایہ تحقیق مخدوم الملک سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ وسیع المشرب ایسے تھے کہ عوام ان پر الحاد کا گمان کرتے تھے۔ ابتداء میں بادشاہ اکبر نے لاہور کی قضا سپرد کی۔ پھر بندوبست بھڑوچ کے محکمہ قضا کا حاکم اعلیٰ مقرر کر دیا۔ کچھ عرصہ جونپور میں بھی رہے ہیں۔ جہاں ان کا مدرسہ ہے اور بھی علمائے لاہور مقیم تھے۔ قاضی صدرالدین نے بھڑوچ ہی میں انتقال کیا۔ بڑے عالم تھے۔ مگر جب وطن (لاہور) سے نکلے۔ تو پھر واپس آنا نصیب نہ ہوا۔ شیخ محمد ان کا بیٹا جو بڑا قابل تھا۔ باپ کی جگہ بھڑوچ کا قضاء پر مقرر ہوا۔

سلیم اصل نام جلال الدین فرزند شیر شاہ سوری تخت نشین شاہ ربیع الاول ۹۵۲ھ مطابق ۲۸ مئی ۱۵۴۵ء بادشاہ ہو کر خطاب اسلام شاہ اختیار کیا۔ مگر سلیم شاہ مشہور ہوا۔ وفات ۹۶۰ھ مدفن سہسرام بہار۔ شیر شاہ۔

مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطانپوری کا خطاب ہے۔ اکبر نے اس خطاب کے علاوہ شیخ الاسلام کا منصب بھی دیا تھا۔ مخدوم الملک کو ابوالفضل صدر دین کا مصنف پر زور لکھتا ہے۔ بڑا متقی پرہیزگار تھا۔ ۹۹۰ھ میں بعمر ۱۰۵ سال حج بیت اللہ کو گئے۔ واپسی پر احمد آباد گجرات میں انتقال کر گئے۔ تین کروڑ روپیہ نقد اس کے خزانہ سے نکلا۔

مولانا محمد مفتی ان کا نام اقبال نامہ اکبری میں مولانا محمد لکھا ہے۔ لیکن ملا عبدالقادر بدایونی اپنی تاریخ میں مولانا محمد مفتی لکھتے ہیں "شاید لاہور یا کسی اور شہر کے مفتی بھی رہے ہوں"۔ نہایت عالم تھے۔ ساری عمر لاہور ہی رہے۔ اکبر کی وفات سے دس سال پیشتر ۱۰۰۰ھ میں لاہور ہی میں انتقال کیا۔ عمر نوے سال کی تھی۔

شیخ حاجی احمد اقبال نامہ اکبری نے شیخ احمد اور صاحب طبقات اکبری نے آپ کا نام شیخ حاجی احمد لاہوری لکھا ہے۔ اور آپ کے علم و فضل کی تعریف کی ہے۔

قاضی شیخ معین لاہور کے قاضی تھے۔ پیرانہ سالی کی وجہ سے استعفےٰ دے دیا۔ اکبر کے زمانہ میں وفات پائی۔

مرزا نظام الدین احمد مشہور کتاب طبقات اکبری کے مصنف ہیں۔ جن میں شہنشاہ اکبر کے زمانہ کی مفصل تاریخ ہے۔ لاہور میں ان کا ایک عالیشان باغ بھی تھا۔ ۱۰۰۲ھ میں وفات پائی اور اپنے باغ ہی میں مدفون ہوئے۔ اب نہ باغ ہے نہ قبر۔ سنہ وفات کے یہ نام اللہ کا۔ وفات کیوقت ۵۴ سال کی عمر تھی۔ بدایونی لکھتا ہے۔ لاہور کے شرفاء اور عوام میں شاید ہی کوئی ایسا ہو۔ جو اس نوجوان عالم کے جنازے پر نہ رویا ہو۔ اور جس نے اس کا حلیم الطبعی۔ شفقت اور حسن سلوک کو افسوس کے ساتھ یاد نہ کیا ہو۔ قطعہ تاریخ وفات حسب ذیل ہے:۔

رفت مرزا نظام دین احمد — سوئے عقبےٰ و جنت و زیبا رفت
جوہر او ز بسکہ عالی بود — در جوار ملک تعالےٰ رفت
قادری یافت سال تاریخش — گوہر بے بہا ز دنیا رفت

شیخ محمد اسمٰعیل میاں وڈا تیاں وڈا بزرگ اعظم شیخ محمد اسمٰعیل کا لقب تھا۔ اکبری عہد میں علم و فضل اور صاحب ولایت ہونے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ قوم کے کھوکھر تھے۔ اور دلی علاقہ پوٹھوہار موضع ترگراں میں تھا۔ ۹۹۲ھ سال پیدائش ہے۔ مخدوم عبدالکریم سے سلسلہ سہروردیہ میں خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ تحفے

ف مفصل حالات کیلئے دیکھو یادِ رفتگاں" مصنفہ راقم الحروف۔

محل محلہ میں (جہاں اب آپ کا مدرسہ بنام درس بہاں واقع ہے) ایک مسجد بنائی۔ اور عالیشان مدرسہ
بھی بنیاد رکھی۔ جس کی تعمیر ۱۰۴۸ھ میں بعہد اکبر بادشاہ ہوئی۔ لاہور کی قدیم اسلامی درسگاہوں کی یادگار
اب صرف یہی ایک مدرسہ رہ گیا ہے۔ جو قریباً سوا تین سو سال سے برابر خلق خدا کو فیض پہنچا
رہا ہے۔ یہاں اندھے اور اپاہج طلبا قرآن شریف اور فقہ کی تعلیم پاتے ہیں جنھیں کل اخراجات
خانقاہ سے ملتے ہیں۔ مدرسہ اور خانقاہ کی معافیات سے تمام اخراجات چل رہے ہیں مہاراجہ
رنجیت سنگھ کے بعد بابا مہاراجہ دلیپ سنگھ جب برچھا گردی کا نور تھا سکھ فوج نے
اس مدرسہ کی عمارات کو بہت نقصان پہنچایا۔ جس کی کچھ تلافی مرمت وغیرہ کر کے یہاں محمد سلطان
مرحوم مشہور ٹھیکیدار لاہور نے کروی۔ شیخ محمد اسمٰعیل بڑے پایہ کے بزرگ گذرے ہیں۔ جن کا
فیض گو مٹی ہوئی شکل ہی میں سہی اب تک جاری ہے۔ شیخ محمد اسمٰعیل ایام طالب علمی میں آگرہ میں
کر گذر اوقات کیا کرتے تھے۔ سلسلہ تدریس جاری کرنے سے پیشتر مزار حضرت داتا گنج بخش صاحب
پر چلہ کشی کی۔ جب درس جاری کیا۔ تو طلبا اس کثرت سے آئے کہ مسجد میں نہ سما سکے۔ اپنے ساتھ
اور کچھ زمین ملا فی پڑی۔ عالمگیر نے خانقاہ اور مدرسہ کی مدد معاش کیلئے سات چاہات میں ۱۰۰ روپیہ
اراضی عطا کیے۔ ابھی تک اس درسگاہ سے علمی فیضان جاری ہے۔ ہزارہا نابینا لوگ یہاں سے
حافظ قرآن ہوئے ہیں۔ جن کو کپڑا اور خوراک بھی یہاں سے ملتا ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ محمد الباقی نام ہندوستان کے اولیائے کرام سے گذرے ہیں۔ آپ کا نام
قاضی عبدالسلام تھا۔ جو کابل کے ارباب علم و فضل میں سے رہا ہے
رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کی ولادت ۹۷۱ھ یا ۹۷۲ھ میں بزمانہ اکبر بمقام کابل ہوئی
علوم رسمیہ مولانا صادق حلوائی سے پڑھے۔ کابل سے سمرقند ماوراء النہر تک کا سفر کیا۔ جب
عازم ہندوستان ہوئے۔ تو ایک سال تک لاہور میں مقیم رہے۔ یہاں سلسلہ رشد و ہدایت
اور درس و تدریس سے ہزارہا لوگ مستفیض ہوئے۔ آپ کے حالات زبدۃ المقامات میں بالتفصیل
درج ہیں۔ جس کا ترجمہ اردو میں ہو چکا ہے۔ ایک اور مفصل سوانح عمری بھی آپ کے حالات میں
موجود ہے (زبدۃ المقامات میں لکھا ہے کہ قیام لاہور کے زمانہ میں بہت سے علماء و فضلاء آپ
کے پاس جمع رہتے تھے۔ اور علمی اور دینی مجلسیں گرم رہتی تھیں یہ زمانہ ہمارے شباب کا تھا

اس عمر میں باوجود صاحب علم و فضل بلکہ صاحب خلافت و ارشاد ہونے کے سائلوں اور مجذوبوں کی نمک دوزی میں پہنچتے۔ ان دنوں لاہور میں بارش کے دنوں میں کیچڑ پانی کے سبب سے چلنا پھرنا دشوار ہوتا تھا۔ آپ ایسے دنوں میں بھی گورستانوں اور بیابانوں میں صاحبدلوں کی جستجو میں پھرا کرتے تھے۔ لاہور کے اطراف و جوانب میں ایک گورستان کے قریب ایک مجذوب عارف رہتا تھا۔ جب آپ اس کے پاس جاتے۔ وہ آپ کو مار مار کر بھگا دیتا۔ یا آپ کو دیکھ کر خود ہی کہیں بھاگ جاتا۔ لیکن آپ اس حال میں بھی اسکا پیچھا نہ چھوڑتے۔ یہاں تک کہ ایک دن اس مجذوب نے خوش ہو کر آپ کو پاس بلا لیا۔ اور حصول مراد کیلئے دعائیں دیں۔ اور ان دعاؤں سے آپ کو بہت سے فوائد نصیب ہوئے۔

ایک دن لاہور کی ایک مسجد میں آپ ادائے نماز فریضہ کے لئے تشریف لائے۔ آپ کے ایک مخلص کا بیان ہے۔ کہ اثنائے نماز میں آپ کے سینہ سے ایک مہیب آواز سنائی دی جس سے اہل مسجد حیران ہوئے۔ بعد فراغت نماز آپ جلد جلد مسجد سے نکل کر اپنے مکان پر چلے گئے اور بندہ کو سختی سے منع کر دیا کہ دو تین آدمیوں کے ساتھ گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کرتے۔ باوجود ان تمام وکالات کے اور باوجود طلباء کی کثرت کے آپ ایسے عالی ہمت تھے کہ بزرگی و تخصیص کبھی منظور نہیں کیا۔ بلکہ تصحیح احوال کے لئے ہر دیار و امصار کے مشائخ سے جو کچھ حاصل کیا۔

ایک مرتبہ لاہور میں سخت قحط سالی نمودار ہوئی۔ آپ ان دنوں لاہور ہی میں تھے۔ اور بندگان خدا کی بیچارگی و گرسنگی کا عالم دیکھ رہے تھے۔ جب آپ کے سامنے کھانا لایا جاتا۔ فرماتے نصف۔ تنہا نہ کھاؤ۔ کہ مفلسوں کے پیٹ خالی کو چوں میں تڑپتے پھریں۔ اور ہم گھروں میں بیٹھے کھانا کھائیں۔ کہ جس کا مزہ کھانا دیتا۔ آپ ان غرباء زدوں کو بھجوا دیتے اور خود فاقہ سے روزہ گزارہ کرتے۔ زبدۃ المقامات میں لکھا ہے۔ کہ کئی دنوں تک آپ بھوکے رہے۔ آپ کی ایک غزل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

دریا دریا اگر بکا مستند	گم بایذ کرد و نشاں نہ بایذ داد

سنہ ۱۰۱۱ھ میں بعہد اکبر بادشاہ آپ کی وفات مقام دہلی ہوئی۔ سلسلہ نقشبندیہ کو آپ نے از سر نو زندہ کیا۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ آپ سے بیعت تھے۔

مولانا جمال تلوی لاہوری

سنہ ۱۰۱۳ھ میں بزمانہ اکبر آپ حضرت مجدد الف ثانی کی علمی صحبتوں اور ان کے شغل و مراقبہ میں شامل رہے ہیں۔ اندریں حضرت مجدد صاحب نے ایسا نے خواجہ باقی باللہ (اپنے مرشد) کے لاہور میں مقیم تھے۔ نزہۃ المقامات میں لکھا ہے۔ کہ آپ تلہ (محلہ لاہور) میں رہتے تھے۔ نار بیخ ہند مولوی ذکاء اللہ علیہ الرحمۃ نے اقبال نامہ اکبری میں بھی لکھا ہے۔ آپ لاہور کے محلہ تلہ میں رہتے تھے۔ اسی لیے آپ کو تلوی بھی کہتے ہیں۔ آپ کا درس نہایت مشہور تھا۔ بڑے بڑے عالم آپ کی شاگردی پر ناز کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ حضرت مجدد الف ثانی کے پاس گئے۔ جب رخصت ہونے لگے۔ تو حضرت احرار ان کو رخصت کرنے کے لیے اٹھے اور چند قدم تک ہمراہ چلنے کا ارادہ کیا۔ مولانا جمال نے آپکی نعلین اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیئے۔ آپ کے تلامذہ کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی۔ ان کو یہ امر ناگوار گذرا۔ کیونکہ ان کا اعتقاد مولانا پر کیا باعتبار علم اور کیا بہ لحاظ تقوے حضرت مجدد سے کم نہ تھا۔ شاگردوں نے سوقع پا کر عرض کیا۔ آپ نے اس افراط تواضع پر تذلل کا کیا باعث فرمایا۔ حضرت شیخ علمائے باللہ و محرمان اسرار اللہ ہیں۔ ان کا احترام لازم ہے۔ اس لیے میں نے ایسا کیا۔

ایک مرتبہ مولانا نے حضرت شیخ مجددؒ سے پوچھا۔ آپ اس وقت علم [illegible]

[illegible] کا علم کیونکر ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا [illegible]

[illegible] اکبر کے [illegible] ہوئے [illegible] اور [illegible] مولانا [illegible] ہوئے [illegible] ہوئے [illegible] ہوئے

کہہ کر مولانا کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اور ان کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ دیر تک حضرت شیخ کے زانو پر ہاتھ رکھے ہوئے خاموش بیٹھے رہے۔ اور جب روانہ ہوئے۔ تو بغیر کسی بات کرنے کے خاموشی سے رخصت ہو گئے۔ کسی کو خبر نہ ہوئی کیا کہا اور کیا سنا ؎

نہ دانم چہ گفتی چہ انگیختی کہ گفتی و از دیدہ خوں ریختی

یہ مجلسیں اور بھی بابرکت ثابت ہوئیں۔ مگر اسی جگہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے انتقال کی خبر حضرت شیخ مجدد صاحب کو ملی۔ اور وہ دہلی روانہ ہو گئے۔

سید عبدالخالق سید عبدالواسع ان کے باپ تھے۔ جو سکندر شاہ سوری کے ہاں ملازم ہو کر لاہور آئے۔ اکبر کے ابتدائے عہد حکومت میں بمقام سرہند آپ ایک جنگ میں شہید ہو گئے۔ سید عبدالخالق آپ کے فرزند نہایت صاحب عبادت ولی کامل اور عالم متبحر تھے۔ فقہ۔ اصول۔ حدیث۔ معانی۔ منطق ہر علم پر حاوی تھے۔ آپ نے ایک مدرسہ علم دین کی اشاعت کے لئے جاری کیا۔ اس کے پاس ہی ایک خام تالاب کھدوایا جس سے تالاب کا نام سید سر اور محلہ کا نام بھی سید سر مشہور ہو گیا۔ یہ مقام فاضل شاہ نوشاہی اور شمالی رویہ مزار پیر مکی کا اور مزار حضرت جان محمد مظفری اور متصل ریلوے سٹیشن واقع ہے۔ سید عبدالخالق خود معلم تھے۔ ان کے زہد و ریاضت اور ان کے ماہر علوم باطنی و ظاہری کی وجہ سے طلباء جوق جوق آنے شروع ہوئے۔ جب اکبر بادشاہ تک آپ کے اس فیضان عام کی رسائی ہوئی۔ تو بادشاہ نے مدرسہ اور صاحب مدرسہ کی مدد معاش کے لئے ہزار درم سالانہ کا ایک موضع اور دو مواضعات میں ۹۰ بیگہ زمین بطور جاگیر عطا کی۔ سید صاحب تالاب میں نہانے والوں خصوصاً بچوں کو پھوڑے پھنسی اور خارش سے بہت آرام ہوتا تھا۔ مولوی نور احمد صاحب مصنف تحقیقات چشتی لکھتے ہیں۔ میں جب تالاب سید سر دیکھنے گیا تو عجب عبرت الی نظر آئی۔ نہ وہاں مدرسہ ہے نہ نشان مدرسہ۔ نہ کوئی عمارت ہے۔ نہ کسی عمارت کا نشان۔ تالاب جس سے فیضان عام جاری تھا۔ اب وہاں زراعت ہوتی ہے۔ اور کسی کو خیال تک نہیں آتا کہ یہاں کبھی تالاب بھی تھا۔ لیکن لوگوں کے عقیدے کا یہ حال ہے کہ سید سر کی زمین کی خاک لیکر بالوں میں ملاتے ہیں۔ اور اس سے اطفال مرلیض کو نہلاتے ہیں۔ جب تک سلاطین مغلیہ کو زوال نہیں آیا تھا۔ اور جب تک سکھوں کو طاقت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ لاہور کی ہیرونی

آبادی چوسیلوں تک پھیلی ہوئی تھی نہایت امن و امان سے رہتی تھی۔ سکھوں کی لوٹ مار اور ان کے پیدا کردہ حالات اور ان کی باقاعدہ اور بیقاعدہ سلطنت نے بیرونی لاہور کو بالکل تباہ کر دیا۔

مولوی سید عبدالحکیم گیلانی سید تھے۔ ان کے ایک بزرگ ۱۰۲۵ھ میں ایران سے ملتان میں آئے چونکہ فاضل متبحر تھے سلسلۂ درس و تدریس شروع کر دیا۔ انکی اولاد میں بعہد بابری سید سعید الدین دہلی ملازم ہو کر گئے۔ ان کے صاحبزادے حضرت بایزید جو نہایت عالم و فاضل تھے اور جن سے صدہا لوگ مستفیض ہوئے تھے لاہور آ گئے۔ بایزید کے تین بیٹوں میں سے سید عبدالحکیم نہایت نامور ہوئے۔ ان کی تاریخ پیدائش ۱۰۳۱ھ ہے۔ عہد جہانگیر میں ان کے شباب کا عالم تھا۔ اسی زمانہ میں ان کے علم و فضل کا چرچا تمام پنجاب تک پہنچ چکا تھا تحقیقات چشتی میں لکھا ہے۔ کہ ایسے غرقت گزین اور مستغنی المزاج تھے۔ کہ باوجود تقاضائے شاہی کبھی دربار شاہی تک نہ گئے۔ خلق عظیم کا نمونہ تھے۔ آخر عمر میں اکثر لوگوں نے آپکی صحبت بھی کی۔ مقبرہ ان کا شاہ شمس الدین قادری کے جنوب رویہ اور کوٹھی لاٹ صاحب ڈگرنمنٹ ہاؤس کے جنوب رویہ تھا جب سرکار انگریزی نے انارکلی سے میانمیر تک بڑا کمپنی باغ جدید سڑک بنانی چاہی تو یہ مقبرہ سڑک کے اندر آ گیا۔ آج سے پچاس سال پیشتر مقبرہ کی عمارت کے کچھ کچھ نشان موجود تھے۔ اس اطار میں آٹھ قبریں تھیں صاحب تحقیقات چشتی ایک شخص کی زبانی روایت کرتے ہیں۔ کہ انتقال مولوی صاحب کا ۱۰۸۳ھ میں بعہد عالمگیر ہو گیا تھا۔

مولانا محمد افضل جہانگیر کے دربار میں ان کی بڑی عزت تھی۔ وہ ان کے علم و فضل اور زہد و ورع اور ان کے علمی فیضان عام کی بہت قدر کرتا تھا۔ جہانگیر نے اپنی توزک میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کی اس بڑی لطف ملاقات کا ذکر کرتا ہے جس کو اس نے تحت غیر متوقعہ سمجھا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ مولانا محمد افضل نہایت ہی پاکیزہ خیال کے پاک نفس بزرگ ہیں باوجود دنیا دار ہونے کے اپنے کو فقیر کہتے ہیں۔ مضبوط اور نفسانی قوی پر بڑے قادر ہیں میں ان کی ملاقات اور انکی صحبت سے بڑا ہی خوش ہوا۔ میں نے کچھ گفتگو کی۔ اس پر ظاہر کیا۔ انہوں نے جو جواب دیئے اور جو نصیحت کی۔ اس کا مجھ پر بڑا اثر ہوا۔ جو میری تسکین کے لیے کافی تھا۔ جہانگیر لکھتا ہے۔ میں نے ان کو ایک ہزار روپیہ نقد اور قریباً ۱۰۰ مربع اعلیٰ قسم کا

مدد معاش دی تاکہ اس کی آمدنی سے ان کے درس اور ان کے درویشوں کا خرچ چلتا رہے
اور ایک ہزار روپیہ نقد ان کی خدمت میں پیش کیا۔ اور ان سے رخصت ہوا۔

شاہ رستم غازی ان کے علم و فضل اور ان کے علوم دینی و دنیوی کی قابلیت کا اسی سے
کہ لڑکے زیب النساء بیگم جیسی علامہ دہر شہزادی دختر شہنشاہ اورنگ
زیب کے استاد تھے [illegible] میں بعہد شاہجہان جب ان کا انتقال ہو گیا۔ تو زیب النسا
بیگم نے اپنے باغ دہلی اب متصرف زیب النساء بیگم ہے اور موضع داں کوٹ آباد ہے اس کی غربی سمت
سنگ سرخ کا مقبرہ تعمیر کرا کر قبر کا تعویذ سنگ مرمر کا بنا دیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا دور حکومت
لغایت [illegible] آیا تو سنگ سرخ رہا نہ سنگ مرمر سب کی صفائی ہو گئی۔ قبر کو بلند چبوترہ
کے نیچے دو نہ خانے ہیں۔ ایک میں شاہ رستم غازی اور اس کے بیٹے اور دوسرے میں اس کی بی
اور بیوی کی قبر ہے۔

شاہ شمس الدین قادری شاہ ابو اسحاق مزنگوی کے ارشد تلامذہ بلکہ ان کے مرید خاص سے
صاحب علم و فضل ہونے کے علاوہ صاحب ولایت بھی تھے [illegible]
اور جب کو بروز چہار شنبہ جب آپ کا انتقال ہوا۔ اور جہانگیر کو خبر ہوئی۔ تو لکھ دیا کہ شاہ
کے علم و ولایت کے مطابق ان کا روضہ تعمیر ہو۔ ایک باغ عالیشان بھی تعمیر کر دیا۔ جو بعہد
شاہی ٹکسال آباد تھا۔ مولوی نور احمد چشتی نے تحفۂ نامہ چشتی میں آپ کے مزار کی جو کیفیت لکھی
اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ مزار نہایت عالیشان تھا۔ چاروں گوشوں پر چار مینار تھے
مسجد ہیں۔ یہ مزار کوٹھی لاٹ صاحب کے متصل واقع ہے۔ شمالی دروازے کے اوپر [illegible]
یہ شعر خط استعلیق تحریر ہیں

چو شمس از ایں زمیں جہاں جنت یافت ۔۔۔ بیا راست ایزد برائش بہشت

حضرت شاہ کمال [illegible] کے حالات زیادہ نہیں معلوم ہوتے تحفۂ چشتی میں صرف اسقدر
[illegible] اور بعد [illegible]

ں کے بنا ہے گا اور کوئی کم تھا۔ ان کی خانقاہ قبرستان میانی میں متصل احاطہ قبرستان بزرگان سید
ران شاہ سبزواری واقع ہے۔ مسجد اور چاہ جو یہاں موجود ہے۔ وہ عہد جہانگیر کے ہیں ۔

شیخ سعدی بخاری لاہوری

لہتدار میں فوج شاہجہانی میں ملازم تھے صاحب علم بھی
تھے۔ اور فوج میں جا کر صاحب السیف بھی ہو گئے تھے بعد
ت شیخ اسد اللہ خلیفہ شیخ آدم بنوری کے مرید ہوئے۔ سید آدم بنوری امام ربانی حضرت
د الف ثانی کے خلفائے اعظم میں تھے۔ آپ نے ملازمت ترک کر دی۔ شیخ اسد اللہ نے آپ
علم و فضل اور آپ کے چہرے سے آثار رشد و ہدایت دیکھ کر آپ کو اپنے پیر روشن ضمیر سید آدم
نوری سے بھی بیعت کرائی۔ جب شیخ آدم براستہ لاہور عازم حج بیت اللہ ہوئے۔ تو شیخ سعدی
لاہور چھوڑ گئے۔ تذکرہ مناقب سید آدم میں لکھا ہے۔ کہ آپ لاہور میں ۴۰ سال تک خلق
کو ظاہری و باطنی تعلیم دیتے رہے۔ آپ کی نظر فیض اثر سے آسیب زدہ کو بہت جلد آرام آ
تھا۔ ۱۰۷۱ھ میں بمقام لاہور بعہد عالمگیر آپ نے وفات پائی۔ مولوی نور احمد چشتی نے اپنی
کتاب تحقیقات چشتی میں آپ کا قطعہ وفات حسب ذیل درج کیا ہے ؎

شیخ سعدی بخاری دل سید دار لاہوری — بود پر فتوح پاک او ہزاراں رحمت باری
ندا آمد ز دل آثار بجنت رفت اے چشتی — ندا آمد ندا قدسی ز زندہ دل سعدی بخاری

شاہ ابو الوحید لاہوری

کثیر الاوراد کثیر الطہارت اور کثیر العلم تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ
کے ارشاد سے حضرت شیخ احمد سرہندی کے پاس عرصہ تک
تربیت کی غرض سے سرہند میں مقیم رہے۔ بعد تکمیل لاہور آئے اور لوگوں کو اپنے علم و فضل
سے فیضیاب کرتے رہے۔ نماز کے عاشق تھے اور سنت و نفل کے ادا میں کمال سرگرم ۔
نماز میں ایک مرتبہ ایسا ذوق معلوم ہوا کہ مولانا محمد ہاشم کشمی سے جو جامع کتاب مذہبہ
ہیں فرمایا بہشت میں نماز ہوگی یا نہیں۔ انہوں نے کہا بہشت کا مقام
دار العمل ہے۔ اس لئے نماز دوام کہاں۔ آپ نے ایک سرد آہ کھینچی اور کہا آہ
نماز دنیا کی دولت ہے۔ آہ کہ ہم نے ایک سرتبہ حضرت امام ربانی مجدد الف
ثانی کے پیچھے نماز پڑھی جس میں سورہ کہف تھی۔ کہ بعض اوقات نماز کیا

خصوصاً سجدے سے کیونکہ ایک ایسی حالت طاری ہوتی ہے کہ سر اٹھانے کو جی نہیں چاہتا۔ اس مولویانہ و صوفیانہ زندگی کے ساتھ کسب حلال کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ چنانچہ آپ تجارت کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مال تجارت لیکر بخارا تک گئے۔ نماز عشاء کے بعد ایک مسجد میں نفل پڑھ رہے تھے۔ کہ خادم مسجد نے کہا مسجد کا دروازہ بند ہونے والا ہے۔ نفل گھر جاکر پڑھو۔ آپ چلے آئے۔ حضرت خواجہ صاحب رات کو خادم کے خواب میں آئے۔ فرمایا۔ وہ درویش کہ سوداگر ہندی ہے ہمارے دوستوں سے ہے۔ اس سے جاکر معذرت کرو۔ چنانچہ وہ دوڑا آیا۔ اور جب تک معافی نہ لے لی اسے چین نہ آیا۔ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں بھی آپ کا ذکر ہے۔ چنانچہ مکتوب نمبر ۱۰ اور نمبر ۱۳ آپ ہی کے نام ہیں۔

عالمگیر اورنگ زیب کے زمانہ میں شاہ شرف لاہور کے ایک نامور عالم گذرے

مولانا شاہ شرف ہیں ان کا علم ان کے تقدس سے اور ان کا تقدس ان کے علم سے زیادہ تھا۔ فقہ و حدیث اور قرآن و تفسیر اور علوم معقول و فلسفہ کا ایک دریا تھے جس سے سینکڑوں اور ہزاروں لوگ سیراب ہوئے۔ شاہ شرف کے باپ کا نام محمد فاضل تھا۔ جو شاہجہانی عہد میں قادر آباد ملتان کے ایک عالم فاضل اور اسلام پسند بزرگ تھے۔ شاہ شرف [illegible] میں انتقال کر گئے۔ [illegible] کے باہر جہاں آجکل انگریزوں کا قبرستان ہے۔ انکا جنازہ عالیشان مقبرہ بنایا گیا۔ مقبرہ کے ساتھ ایک مسجد بھی تھی۔ جو مولانا شرف نے اپنی زندگی ہی میں بنوائی تھی۔ یہ مسجد بہت خوبصورت تھی۔ انگریز نے [illegible] لاہور کے مصنف۔ ملا جیون سید جعفر طیار لکھتے ہیں۔ لاہور میں ابھی تک کوئی ایسے آدمی موجود ہیں جنہوں نے اس خوشنما مسجد کو جاکر دیکھا ہے اور عالیشان مقبرہ کو دیکھا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ یہ عمارات لاہور کی دوسری عالیشان عمارات سے کم نہ تھیں۔ سنگ مرمر اور سنگ سرخ کا کام نہایت اعلیٰ تھا۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے شہر کی فصیل کے گرد خندق اور خندق کے گرد ایک اونچی فصیل بنائی شرف کی۔ تو شاہ شرف کا مقبرہ اور مسجد اس دوہری فصیل کے اندر آگئے۔ مہاراجہ نے حکم دیا کہ ان عمارتوں کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا جائے۔ حکم کی تعمیل میں کیا

---

۱ [illegible] ۱۹۱۱ء مطبوعہ [illegible] پریس لاہور

...ر تھی۔ تمام قیمتی پتھر امرت سر میں دربار صاحب کرنے بھجوا دیئے گئے۔ فقیر نورالدین نے جو ہمارا شاہی حکیم تھا۔ لاش کے صندوق کو باعزاز خواجہ محمد سعید لاہوری کے مزار کی شمالی چاردیواری کے ...ر دفن کرا دیا۔

ملا یوسف لاہوری

بادشاہ نامہ (حالات عہد شاہجہان) میں لکھا ہے کہ ملا یوسف عالم باعمل تھے۔ جو کہتے اس پر عمل کرتے تھے۔ قرآن و حدیث کے عامل و ...ماہر ہونے اور اپنے زہد و تقدس کی وجہ سے ہر کہ و مہ کی نظروں میں قابل عزت تھے۔ اصول و فقہ اور ...ر علوم پر عبادی تھے۔ اور مختلف حاشیئے اور شرحیں مختلف کتابوں کی ان سے یادگار ہیں ایک شرح دیوان حافظ کی بھی فارسی میں لکھی تھی۔ جس کا قلمی نسخہ موجود سنا جاتا ہے۔ قریباً پچاس سال تک لاہور میں ان کا درس جاری رہا ہے۔ جہاں سے بیشمار لوگ مستفیض ہوتے رہے ہیں۔ ...ستی سال کی عمر میں بعہد شاہجہان آپ کا انتقال ہو گیا۔

خواجہ محمد سعید لاہوری

شہ شاہ۔ احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے زمانہ میں لاہور رہا جن کی مسجد ...عید العصر عالم گذرے ہیں۔ مکان اور درسگاہ خلد اللہ دار علی ...تھا جہاں اب گول گنبد تار گھر کا دفتر واقع ہے۔ درس گاہ میں صدہا طالبان علم نے فیض ...حاصل کیا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال یکھوں کی شورشوں اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے ایام ...میں حاجی محمد سعید امن و امان کے ساتھ اپنے سلسلہ درس و افادہ میں مصروف رہے ہیں آپ ...صرف عالم ہی نہیں تھے۔ بلکہ سیاح بھی تھے۔ دوران سیاحت میں کابل میں بھی کچھ عرصہ ...رہے تھے۔ جہاں احمد شاہ ابدالی نے آپ کی بڑی عزت کی تھی۔

احمد شاہ ابدالی نے جب اپنے تیسرے حملہ کے وقت لاہور کو لوٹنا شروع کیا۔ ان دنوں

...تاریخ لاہور رائے گنپت رائے میں لکھا ہے کہ اس مقبرہ کے قیمتی پتھر احمد شاہ ابدالی نے اور رنجیت سنگھ نے اندر کی بارہ دری ...اور لاہور میں بہت سی عمارتوں کے لئے اکھاڑ لئے تھے۔ بادشاہی مسجد کی سیڑھیوں کے نیچے جو ...ہیں وہ اسی مقبرہ کے پتھر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مقبرہ اس جگہ تھا جہاں اب چاندنی چوک کے دروازے کے باہر بیٹھک مکانوں کی ...لائن ہے۔ اس کے پتھر لاہور میں بہت سی عمارتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ خود وہاں کی کئی چھتوں کی ...کسی سے نہ مل سکا ...کہ یہاں ایک ...

حاجی محمد سعید لاہور میں موجود تھے۔ انہوں نے بادشاہ کو ایک رقعہ لکھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ خدا کی مخلوق کو تباہ نہ کرو۔ احمد شاہ نے اس رقعہ کے پہنچتے ہی اپنا ہاتھ روک لیا۔ اور خود محلہ عبداللہ والی میں جہاں مولانا کا قیام تھا حاضر ہوا۔ حاجی محمد سعید کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی صرف دو لڑکیاں تھیں۔ جو عالم فاضل باپ کی بیٹیاں ہونے کی وجہ سے ضرور علم دین میں مہارت رکھتی ہونگی۔ ان لڑکیوں کی اولاد لاہور میں موجود ہے ؛

۱۱ ربیع الاول ۱۱۶۶ھ میں احمد شاہ ابدالی کے آٹھویں یعنی آخری حملہ کے زمانہ میں جب کہ پنجاب میں سکھوں کا عروج ہو رہا تھا حاجی محمد سعید نے انتقال کیا۔ اور وہ اپنے محلہ ہی میں دفن کیے گئے۔ ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد کابلی سردار نے ان کی پختہ قبر بنوائی۔ خواجہ سردار سلطان محمد خان برادر امیر دوست محمد خان مہاراجہ رنجیت سنگھ کے مہمان کی حیثیت سے لاہور (مقبرہ جہانگیر) میں مقیم تھا۔ تو وہ یہاں روزانہ آتا اور نذرانہ چڑھاتا تھا۔ اب بھی کابلی سردار اس بزرگ کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ آپ کے سالانہ عرس پر اکثر افغان لوگ جمع ہوتے ہیں ؛

شاہ محمد ملا شاہ بدخشانی عالم فضیلت ہی میں اپنے وطن سے لاہور پہنچے حضرت میانمیرؒ کی خدمت میں سعیت کی استدعا کی۔ انہوں نے فرمایا۔ ابھی تحصیل علم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ دس سال تک لاہور ہی میں تحصیل علم کرتے رہے۔ جب علوم ظاہری میں صاحب کمال ہو گئے۔ تو حضرت کے پاس آئے اور سعیت کی شہزادہ دارا شکوہ اکثر آپ کے مکان پر جایا کرتا تھا۔ تمام عمر مجرد رہے۔ حبس نفس پر بڑے قادر تھے۔ وعظ نہایت عالمانہ کرتے تھے۔ ان کے لاہر آنے کی تاریخ ۱۰۲۳ھ بیان کی جاتی ہے۔ گرمیوں کے موسم میں ہمیشہ کشمیر جایا کرتے تھے۔ جہاں بمقام سرینگر پربت کے دامن میں ان کی عمارات اب تک موجود ہیں۔ لیکن بعد ازاں جانا چھوڑ دیا۔ اور حضرت میانمیر کے ارشاد کے مطابق لاہور ہی میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ فارسی زبان میں نہایت اچھے شعر کہتے تھے۔ جو توحید اور خدا شناسی اور معرفت کے مضامین سے لبریز ہوتے تھے۔ ۱۰۷۱ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اپنے مرشد حضرت میانمیر کے روضہ کی عمارت میں دفن ہوئے۔ چند اشعار آپ کی یادگار ہیں ؛

۱؎ مطابق تاریخ لاہور انگریزی خان بہادر محمد لطیف۔ تحقیقات چشتی میں صفحہ نمبر ۲۱۰ پر سنہ وفات ۱۰۷۱ھ درج ہے

اے بندہ بپائے قفل پر دل بُہشدار — وے دوختہ چشم پائے در گل بُہشدار
عزم سفر مغرب و رو بہ مشرق — اے رہرو پیشت بہ منزل بُہشدار

ایک اور شعر آپ کی یادگار میں ہے۔ جس پر علمائے کشمیر نے کفر کا فتوے بھی دیا تھا۔ اور شاہجہان کے پاس شکایت بھی کی تھی۔ شعر حسب ذیل ہے ؎

پنجہ در پنجۂ خدا دارم — من چہ پروائے مصطفےٰ دارم

شہزادہ دارا شکوہ ملاشاہ کا مرید تھا۔ ملاشاہ اور حضرت میانمیر (بعہد شاہجہان) دارا شکوہ سے پہلے انتقال کر گئے۔ ان کا روضہ دارا شکوہ نے نہایت فراخ اور عالیشان بنایا۔ اپنے مرشد ملاشاہ کے روضہ کے لئے اس نے اور بھی زیادہ سازوسامان کیا تھا۔ مگر اورنگ زیب کے ہاتھوں دارا شکوہ کے قتل ہو جانے سے وہ ارادے تکمیل تک نہ پہنچ سکے۔ تمام قیمتی پتھر جہاں اور رنجیت سنگھ نے اُتر والے۔ روضہ کی دوسری منزل اورنگ زیب کی تعمیر کردہ ہے۔ دوسری منزل اور مسجد جو سنگ مرمر کی ہے۔ وہ دارا شکوہ کی بنوائی ہوئی ہے۔

دارا شکوہ لکھتا ہے۔ کہ ملاشاہ اور میانمیر عالم گنج اور دارا پور کے گرد و نواح میں مدفون ہیں۔ مگر اب ان دونوں گاؤں کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ البتہ حضرت میانمیر کے نام پر ایک موضع میانمیر آباد ہو گیا ہے۔

حضرت ملا خواجہ حضرت میانمیر کے مرید اور حضرت ملاشاہ بدخشی پیر شہزادہ دارا شکوہ کے پیر بھائی تھے۔ ملا خواجہ کا وطن ہرات تھا۔ اکثر نشو و نما اور شہرت لاہور میں ہوئی۔ ان کی آزاد خیالی بلکہ وارستہ مزاجی مشہور تھی۔ صاحب سیرالمتاخرین تاریخ مراۃ العالم کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔ شاہجہان ایک مرتبہ لاہور میں تھا۔ دارا شکوہ کے مکان پر گیا۔ صاحب تاریخ مراۃ العالم خواجہ دربار خان منظر ہمراہ تھے۔ شہنشاہ نے ان سے کہا۔ کہ واپسی پر ملا خواجہ کو دیکھتے جائیں۔ تم جاؤ اور جا کر ان کو خبر کر دو۔ خواجہ ناظر کہتا ہے۔ میں ملا کے گھر شکستہ حال گیا معلوم ہوا۔ کہ وہ ابھی باہر گیا ہے۔ تھوڑی دیر تک اس کا انتظار کیا تھا۔ کہ بادشاہ کی سواری نمودار ہوئی۔ میں نے عرض حال کیا۔ بادشاہ نے فرمایا۔ تم جاؤ۔ رہو۔ جب ملا آئے۔ تو ہمارا سلام کہہ کر یہ مصرعہ پڑھنا

ع طاقت جہاں نداشتہ خانہ بہاں گذاشتہ

سب ملا اپنے مکان پر آئے اور خواجہ نافر نے واقعہ بیان کر کے مصرعہ پڑھا تو کہا حضرت ظل سبحانی نے
فرزند فوزی فرمائی کہ یہاں تشریف لائے۔ لیکن میں عمداً باہر چلا گیا تھا۔ ورنہ عوام کے ہاتھوں سے
میری ٹانگ ہی سلامت نہ رہتی۔ مطلب یہ کہ بادشاہ کا تقرب سن کر لوگ اس کثرت سے میرے پاس
آتے۔ کہ میں ایک جنجال میں پھنس جاتا۔ دوسرے دن بادشاہ نے لاہور میں دربار عام کیا۔ ملا خواجہ بھی
گئے۔ خواجہ ناظر لکھتے ہیں میں نے ان کو دور سے پہچانا اور بادشاہ سے عرض کیا۔ بادشاہ بہایت خوش
ہوا۔ اور دربار عام سے اٹھ کر ملا کے پاس آیا اور خلوت میں اس سے باتیں کرتا رہا۔ ان کا بہت بڑا
درس لاہور میں جاری تھا کسب علوم کیلئے دور دور سے لوگ آتے تھے۔ امراء غربا کسی کی تمیز نہ تھی
جو آتا حسب توفیق اپنی پیاس بجھاتا تھا۔ سعد اللہ خان سیالکوٹ جانے سے پیشتر لاہور میں اپنی خواہ
ملا کے مکتب میں پڑھتے رہے۔ خواجہ ناظر لکھتے ہیں۔ ایکدن بے ساختہ ملا خواجہ نے کہا۔ بادشاہ
ہند کے وزیر کو طلب کرو۔ حاضرین متعجب ہوئے۔ کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور کس کو کہہ رہے ہیں۔
ملا نے کہا۔ حیران کیوں ہوتے ہو سعد اللہ کو کہتا ہوں۔ آخر یہی سعد اللہ جو اس وقت افلاس اور
پریشانی کی حالت میں تھا۔ شاہجہان کا وزیر اعظم اور جملۃ الملک نواب سعد اللہ خان کے نام سے
مشہور ہوا۔ ایک دن مجلس صوفیائے حقیقت کیش گرم تھی۔ مسئلہ وحدت الوجود پر بحث ہو رہی
تھی۔ ہر ایک کچھ نہ کچھ بیان کر رہا تھا۔ ملا خواجہ خاموش تھے۔ آگ پاس ہی جل رہی تھی وہ بھی
طیش میں آئے اور آگ کے درمیان جا بیٹھے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد باہر آ گئے اور کہا۔ تمہاری
ساری قیل و قال اور بحث مباحثہ کا جواب ہے۔ لوگوں نے دیکھا۔ تو آگ نے ان کے کپڑوں
پر بھی اثر نہ کیا تھا۔

عالمگیر کے اوائل جلوس ۱۰۶۹ھ میں ملا خواجہ ایک دن باغ نسیم بخش (شالامار باغ
لاہور) کی سیر کو گئے۔ وہاں دو تین مرتبہ کہا۔ مجھے طلب نہیں کرتے اور حاضرین سے کہا۔ اگر وہ
طلب کریں تو مرشد (حضرت خواجہ ملا شاہ) کی قبر کے پاس مجھے دفن کرنا۔ چنانچہ اسی وقت اسی
جگہ جان بحق ہوئے۔ اور بموجب وصیت درگاہ حضرت میانمیر میں دفن کیے گئے۔

حضرت میاں نتھا لاہوری

قوم کے خوجہ اور حضرت میانمیر کے مقبول و محبوب مریدوں میں سے تھے۔ علم ظاہر
و باطنی میں صاحب کمال تھے۔ شہزادہ دارا شکوہ سکینۃ الاولیاء میں ان

کے علم و مراتب روحانی کے متعلق لکھا ہے۔ کہ خداوند کریم نے ان کو اس قدر علم دیا تھا۔ کہ نوع محمدی کی تحریر بھی ان سے پوشیدہ نہ تھی۔ یہاں تک مشہور ہے۔ کہ پنجمبر اور رخصت میاں تھانے سے ہمکلام ہوتے تھے۔ حضرت میاں میر نہایت تنہائی پسند تھے۔ خصوصاً رات کو کوئی شخص ان کے پاس نہ رہ سکتا تھا۔ مگر میاں تھانے سے ان کے علم و فضل اور ان کے اعلیٰ مدارج روحانی کب چھپے تھے۔ اس قدر الفت تھی۔ کہ وہ اس کلیہ سے مستثنیٰ تھے۔ میاں تھانے کے متعلق لکھا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے آپ کو یاد الٰہی میں اسقدر غائب کر لیا تھا کہ گویا فنا تھا۔ صرف ذات الٰہی تھی جب یہاں تھا ۱۰۲۵ھ میں انتقال کر گئے۔ تو حضرت میاں میر نے چشم پُر آب ہو کر فرمایا۔ فقیر کے فقیر خانہ کو یہاں تھا لے گئے۔ جب حضرت میاں میر کے انتقال کا زمانہ آیا۔ تو فرمایا۔ میاں تھانے کے پاس دفن کرنا اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ میاں تھانے کس قدر صاحب کمال اور اپنے پیر و مرشد کی نظروں میں کیسے عزیز تھے۔ حضرت کی چار دیواری کے باہر میاں تھانے کی قبر موجود ہے۔

مولانا امان اللہ لاہوری

حضرت خواجہ باقی باللہ کے مریدان اجازت یافتہ سے صاحب ذوق اور صاحب فضل و کمال تھے۔ علم فقہ میں بہت بلند پایہ تھے۔ حضرت خواجہ صاحب کے اعاظم خلفاء میں ان کا شمار ہوتا ہے ۱۰۰۰ھ میں پیادہ پا سفر حجاز کو روانہ ہوئے حضرت خواجہ صاحب کے مرید رستہ میں بکثرت تھے۔ زاد راہ اور خادم تو الخیر سے آپ کی امداد کرنا چاہتے تھے۔ مگر آپ نے مطلق التفات نہ کیا۔ بعد زیارت حرمین شریفین معہ دو غلام کے بھی سدھارے۔

حضرت خواجہ امیر محمود شاہ حضرت الشیال

بڑے پایہ کے تقشبندی بزرگ تھے۔ وطن بخارا تھا۔ اسی جگہ علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ بارہ برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا۔ بچپن ہی سے کیسے علم و فضل کا یہ حال تھا۔ کہ علمائے عہد میں کسی کو مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ شاہ بخارا آپ کے مکان پر آپ کو بلانے کے لئے آتا تھا۔ وہاں سے ہرات گئے۔ پھر سمرقند۔ قندھار۔ کابل۔ حاکم کابل نے دو تک استقبال کیا۔ جب کہ دن تک آپ کابل میں وعظ کیا۔ تو سوائے دو آدمی کے سب نے توبہ کی۔ وہ دو آدمی اسی رات کو اہل بیت سمیت ہلاک ہو گئے۔ وہاں سے کشمیر گئے۔ اس وقت وہاں چک [illegible] حکومت تھی۔ [illegible] کشمیر میں آپ کا پہنچنا ہوا۔ تو حسین چک بادشاہ [illegible] کی تعریف

آپ کو کشمیر سے نکالنا چاہا۔ آپ نے ایک ماہ کی مہلت مانگی جو منظور کی گئی۔ اسی عرصہ میں نواب اکبری نے کشمیر پر حملہ کیا اور وہ کامیاب ہوئیں۔ غرض آپ دیر تک کشمیر رہے۔ آخر جہانگیر نے آپکو دہلی بلوا لیا۔ آپ خانقاہ معلیٰ واقع سرینگر میں اپنا فرزند جو نہایت قابل و عالم تھا چھوڑ کر دہلی آ گئے۔ جب جہانگیر کشمیر کو روانہ ہوا۔ تو آپ کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ واپسی پر جب جہانگیر کا کشمیر کے رستہ ہی میں بمقام بہرام گلہ انتقال ہو گیا۔ تو آپ نعش کے ساتھ ہی لاہور تشریف لائے۔ پھر دہلی آگرہ وغیرہ مقامات سے ہو کر نواب وزیر خان بانی مسجد وزیر خان کے زمانہ میں لاہور تشریف لائے اور آخر دم تک اسی جگہ رہے۔ ان دنوں نواب وزیر خان لاہور کا والی تھا۔ وہ آپ کے پاس خود چل کر آتا۔ اور پھر آپ کی معیت میں حضرت میانمیر کی خدمت میں جاتا۔ جہاں اب آپکا روضہ ہے۔ اسی جگہ آپ نے ایک باغ اور ایک خانقاہ تعمیر کرائی۔ اپنی خانقاہ کی مسجد میں جو تا دم تحریر کتاب ہذا موجود ہے وعظ اور درس فرمایا کرتے تھے۔ صدہا لوگ مستفیض ہوتے اور دین اسلام قبول کرتے۔ حضرت احکام شرعیہ کے سختی سے پابند تھے۔ اتباع سنت و رفع بدعت کیلئے مزاج حق امتزاج بہت مائل تھا۔ وحدت وجودی اور کلمہ "ہمہ اوست" کے قائل کو پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت میانمیر کیساتھ مسئلہ وحدت وجودی کیمتعلق بذریعہ تحریر دیر تک بحث و مباحثہ رہا۔ لاہور میں نور برس تک آپ کے فیضان ظاہری و باطنی سے لوگ بہرہ اندوز ہوتے رہے۔ ۱۰۴۵ھ میں آخری مرتبہ تشریف لائے۔ اور ۱۰۴۶ھ میں انتقال کر گئے۔

شیخ محمد سیر عرف حضرت میانمیر

آپ بطن اہل سیستان تھا۔ سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے ۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۰۴۸ سال کی عمر (۱۶۳۹ء میں) بعہد شہنشاہ اکبر لاہور آئے۔ آپ کے علم و فضل اور آپ کے تقدس و زہد کی وجہ سے ہر وقت آپ کے پاس علماء فضلاء اور صوفی منش بزرگوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔ علمی و مذہبی بحث اس سرگرمی سے ہوتی تھی کہ مناظرہ کا لطف آ جاتا تھا۔ حضرت ملا شاہ بدخشانی خواہ بھاری اور میاں محمد لاہوری آپ کے مریدوں اور شاگردوں میں ممتاز تھے۔ ان بزرگوں کے دم قدم سے لاہور بلکہ پنجاب میں علم دین اور علم تصوف کا مینہ برس رہا تھا۔ دارا شکوہ جو آپ کے مرید ملا شاہ کا مرید تھا۔ آپ کا بڑا ادب کرتا تھا۔ اس کی ایک خود نوشت میں آپ کو دعا کیا کرتی تھی۔ آپ نے حالات

اسی کتاب میں الگ درج ہے۔ جہانگیر اور شاہجہان نے آپ سے ملاقاتیں کی ہیں جہانگیر نے اپنی تزوک اور ملا عبدالحمید لاہوری نے اپنے شاہجہان نامہ میں اکثر جگہ حضرت میانمیر کا ذکر کیا ہے۔ جہانگیر ایک جگہ لکھتا ہے "شیخ محمد میر لاہوری عرف حضرت میانمیر ہے انکے علم و فضل اور ان کی بزرگی و پرہیزگاری کیوجہ سے ملاقات کی بڑی خواہش تھی۔ لیکن میں ان دنوں آگرہ تھا۔ اور حالات اس قسم کے تھے کہ لاہور میں نہ آسکتا تھا۔ اسلئے میں نے اپنی حکومت کے چودھویں سال میں اُن کو آگرہ آنے کی دعوت دی جسے اُنہوں نے نہایت مہربانی سے منظور فرمالیا۔" شہنشاہ حضرت میانمیر سے ملاقات کرکے ان کی توسیع معلومات۔ عالمانہ خیالات اور ان کے مذہبی تقدس اور اعلیٰ کیرکٹر کیوجہ سے بہت خوش ہوا۔ جہانگیر لکھتا ہے "روحانی پاکیزگی اور صفائے قلب میں یہ بزرگ اپنے زمانہ کے لاثانی ہیں۔ میں اکثر اُن کے پاس جایا کرتا اور دیکھے دینی و دنیوی نہایت باریک نکات بتایا کرتے۔ میری خواہش تھی۔ کہ میں اُن کو نقد روپیہ بطور نذر پیش کروں۔ چونکہ ایسی چیزوں کی انہیں خواہش نہ تھی اسلئے مجھے بھی جرأت نہ ہوسکی۔ آخر میں نے نماز پڑھنے کے لئے ہرن کے چمڑے کا مصلیٰ ان کی خدمت میں پیش کیا اور انہوں نے قبول فرمایا۔ اور نظر و نیاز دونوں کے بعد وہ لاہور پہنچ گئے۔

شاہجہان نامہ میں لکھا ہے۔ حضرت میانمیر ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے دنیا چھوڑ کی بہت سیر کی ہے۔ وہ نہایت کم گو ہیں۔ شہنشاہ شاہجہان ۱۰۴۲ھ میں ایک مرتبہ لاہور آیا حضرت میانمیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور چونکہ وہ کچھ نہ کچھ نذر لیتا تھا۔ کہ ان کو کسی نذر نیاز کے لینے کی ضرورت و عادت نہیں ہے۔ اس لئے ان کو ایک تسبیح اور سفید کپڑے کی ایک دستار پیش کی۔ اور بے شمار دعائیں حاصل کیں۔

دارا شکوہ اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے۔ میرے دادا شہنشاہ جہانگیر حضرت میانمیر کی بہت نذر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شہنشاہ نے ان کو مدعو کیا۔ اور شان و شوکت سے انکا استقبال کیا۔ یہ غالباً وہی ملاقات ہے جس کا جہانگیر نے خود بھی تزک میں ذکر کیا ہے۔ شہنشاہ اور شیخ دیر تک ہمکلام رہے۔ جہانگیر ان کی باتوں سے ایسا متاثر ہوا کہ تخت چھوڑنے کی خواہش ظاہر کی۔ شیخ نے کہا۔ شاہان عالم خدا کی طرف سے مخلوق کی حفاظت کے لئے مقرر ہوتے

ہیں۔ اگر تم تخت چھوڑ دو گے۔ تو خدا کے ان احکام کی تعمیل سے قاصر سمجھے جاؤ گے جنکی ادائیگی ایک بادشاہ کی حیثیت سے تم پر واجب و فرض ہے۔ بادشاہ شیخ کے کلام سے بہت خوش ہوا۔ اور کہنے لگا۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو ارشاد کیجئے تاکہ اس کی تعمیل اپنی سعادت سمجھوں شیخ نے کہا۔ ایک چیز کی خواہش ہے۔ اگر دینے کا عہد کرو۔ بادشاہ نے کہا۔ جو حکم ہوگا۔ یقیناً اسکی تعمیل کروں گا۔ فرمایا میری خواہش یہ ہے کہ مجھے دوبارہ یہاں آنے کی تکلیف نہ دی جائے بادشاہ نے ان سے اپنی خط و کتابت جاری رکھی اور اپنے دستخط خاص سے ان کی خدمت میں خط لکھتا رہا۔ چنانچہ وہ خط سکینۃ الاولیاء میں بھی داراشکوہ نے نقل کئے ہیں۔ ایک۔ عرائض سب ذیل ہے۔ بعد از عرض و نیاز مخلص حقیقی تمام اخلاص نہوفصہ اسیر ساند۔ کہ

قالبم ایں جا و جاں در کوئے دوست — خلق را وہمے کہ جاں در قالب است

خدا آں روز آرد کہ دولت قدمبوس ہا صل کنم ؎

شاہجہان نامہ میں لکھا ہے۔ شاہجہان کہتا تھا۔ میں نے صرف دو ولی صوفیا دیکھے ہیں جو علم الکیات کے ماہر ہیں۔ ایک۔ میاں میر دوسرے۔ محمد فضل اللہ بہاری۔ شاہجہان اپنے دور حکومت میں وہ دفعہ حضرت میاں میر کے پاس آیا۔ ایک دفعہ کشمیر جاتے ہوئے اور ایک دفعہ کشمیر سے واپسی پر۔

ساٹھ سال تک آپ زینت افزائے لاہور رہے۔ ۸ ربیع الاول ۱۰۴۵ھ کو اسی سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ چنانچہ واقعۂ وفات کا ذکر کرتے ہوئے سکینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے۔ دیار پنجم ہفتم ربیع الاول ۱۰۴۵ھ بروز سہ شنبہ بجوار حق پیوست۔ (ترجمہ کہ سکین انتقال کر طائر روح مطہر ش بشاں ا قفس قلیدہ وجود ہوائی فضائے بعالم ارواح پرواز کرد) مطمئن آں مشتاقان و قطرہ بحر شد کہ بہاں آب پیوستہ۔ ان فضل و کمال عالم کئی تاریخیں پیدا کیں

---

۱ یہ صاحب شیخ ابوالحسن خرقانی مصنف لاہور تھے۔ ۲ ان کا ذکر آگے آئے گا۔ ۳ یہ صاحب شیخ ابوالحسن خرقانی مصنف لاہور تھے۔ ۴ ان کا ذکر آگے آئے گا۔ ۵ یہ صاحب شیخ ابوالحسن خرقانی مصنف لاہور تھے۔ ۶ ان کا ذکر آگے آئے گا۔ ۷ یہ صاحب شیخ ابوالحسن خرقانی مصنف لاہور تھے۔ ۸ ان کا ذکر آگے آئے گا۔ ۹ یہ صاحب شیخ ابوالحسن خرقانی مصنف لاہور تھے۔ ۱۰ ان کا ذکر آگے آئے گا۔

اور داراپور وغیرہ مواضعات آباد تھے۔ اب ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہے۔ البتہ چھاؤنی کی حدود میں قبرہ اور نادرہ بیگم کی بارہ دری تک پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت کے انتقال کے وقت شاہزادہ داراشکوہ آگرہ میں تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے رنج و ملال کا ذکر سکینۃ الاولیاء میں کیا ہے۔ نادرہ بیگم اور حضرت ملاشاہ کے مزارات کی ٹوٹ پھوٹ۔ تالابوں۔ مسافر خانوں اور باغات و چاہات کیوجہ سے اس مقام پر بڑی رونق تھی۔ داراشکوہ کا ارادہ تھا۔ کہ اپنے محلات و مکانات (واقعہ چاہ میاں سلطان لنڈا بازار لاہور) سے لیکر حضرت ملاشاہ اور میانمیر صاحب کے روضہ تک سنگ مرمر کا فرش بنوائے۔ تاکہ پیدل آیا جایا کرے۔ سامان بھی منگوالیا تھا۔ مگر عالمگیر نے اس غریب کو وہ نہ لینے دیا۔ بعد داراشکوہ کی گرفتاری اور بعد میں اس کے قتل سے اسکے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ لاہور کی عالمگیری (جامع مسجد) جو بادشاہی مسجد کہلاتی ہے۔ اسی ساز و سامان سے بعد میں تعمیر کیگئی۔ روضہ کا کچھ حصہ بھی عالمگیر ہی نے بعد میں تعمیر کرایا۔

موضع میانمیر جو حضرت کے نام پر آباد ہے۔ حضرت کے ایک سو سال سے زیادہ عرصے بعد ان کے سجادہ نشین مہدی شاہ نے آباد کیا۔ مہدی شاہ اپنے باپ محمد شریف خواہرزادہ حضرت میانمیر کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوا تھا۔ حضرت میانمیر خود تمام عمر مجرد رہے۔ ان کی بہن بی بی جمال خاتون کی اولاد سجادہ نشین چلی آتی ہے۔

سید ابو اسحاق میراں بادشاہ

عالم فاضل اور شیخ کامل تھے۔ اپنے ملک ایران سے ساتویں صدی ہجری میں لاہور آئے۔ محلہ ڈیرہ میں سکونت اختیار کی۔ اس وقت سلطان فیروز شاہ جس کے نام پر مولانا ضیاء الدین نے تاریخ فیروز شاہی لکھی ہے۔ تخت دہلی پر حکمران تھا۔ اکثر اشخاص ان کے فیضان باطنی و ظاہری سے مستفید ہوتے رہے۔ وفات ان کی ۷۰۰ھ میں ہوئی۔ مادہ تاریخ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے نکلتا ہے حسب وصیت مزار خام بنایا گیا۔ لاہور میں آپ میراں بادشاہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور باوجودیکہ آپ کے انتقال کو ساڑھے پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے لاہور کے لوگ اب تک آپ کے معتقد ہیں۔ لودھیوں کی عملداری (از سلطان بہلول لودھی تا ابراہیم لودھی ۲ سال ۸۵۵ھ لغایت ۹۳۲ھ) میں امیر الامراء نادر خان نے جب اپنی حویلی تعمیر کی تو آپ کے مزار کو اپنی حویلی میں لے لیا۔ اور گرد اس کے ایک حجرہ چشتی بنوایا۔ ۱۰۸۰ھ میں جب نواب

وزیر خان نے لاہور میں مسجد بنوانے کا ارادہ کیا۔ تو اس حویلی کو خرید کر داخل مسجد کیا۔ اور مزار حضرت سید ابو اسحاق کا بعمارت موجودہ زمین دوز تیار کرایا ۔

ملا پیر محمد واعظ سنہ منظم یعنی بہادر شاہ شاہ عالم اول کے اوائل عہد حکومت اور شہنشاہ عالمگیر کے آخری ایام میں لاہور میں بڑے نامور عالم تھے۔ پیر محمد صرف "ملا" اور "واعظ" ہی نہ تھے۔ بلکہ صاحب علم ہونے کے علاوہ صاحب سیف و قلم بھی تھے۔ بہادر شاہ کے عہد میں جب گورو گوبند سنگھ کو ۱۷۰۸ء میں بمقام دہلی کسی پٹھان نے قتل کر دیا۔ اور جب گورو گوبند سنگھ نے اپنے گرو کی ہلاکت پر انتقام کیلئے سرہند اور لوٹ مار کا پیشہ اختیار کیا۔ اور سکھوں کی جمعیت فراہم کر کے ہزارہا مسلمانوں کو قتل اور صدہا مسجدوں۔ خانقاہوں اور اسلامی عمارتوں کو مسمار کر دیا۔ اور سرہند، سہارنپور اور دوآبہ پر قبضہ کرنے کے بعد لاہور کی لوٹ مار کا ارادہ کیا۔ تو شہر لاہور کے صوبیدار سید اسلم نے جن لوگوں کو فوج کی افسری پر مامور کیا۔ اُن میں ایک ملا پیر محمد واعظ بھی تھے۔ قدیم شاہی عیدگاہ اس زمانہ میں بیلہ

لہ یہ ہے ظلم ستم اور بربریت کی داستان بڑی دلگداز ہے۔ وہ ظالم و مسلمان عورتوں کو چھوڑتا۔ مسلمان بچوں کو بھالوں پر اچھالتا۔ کے غالب کی خوشی کا باعث تھا۔ مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگا دیتا۔ مسجدوں کو جلا دیتا کسی پر رحم نہ کرتا۔ اپنی فوج کا اندر دو مختلف لشکر جو تورانی کے اقوال کے مطابق ۱۵ ہزار اور ۱۰ ہزار تک کیا جاتا ہے فوج سیکھ ۱۷۱۰ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں نواب عبدالصمد خان بہادر جنگ۔ نواب زکریا خان بہادر صوبہ لاہور کا نائب الیسرے تھا۔ اس نے سکھوں کا استیصال کیا۔ اور گورو بندا کو جس نے سکھوں کی لیڈری اور نشان فتح پیلا لاہور اور بعد میں دہلی پہنچا دیا فوج سیکھ نے چاندنی کی پہر ایا۔ یا۔ کو قتل کرایا گورو بندا کو سخت سزا دی اس کا بیٹا اسکی گود میں بٹھا کر ذبح کیا گیا۔ لوہے کی گرم سلاخوں سے بندا کی بوٹیاں نوچی گئیں محمد امین خان نے کہا ہے ظلم نہ کرتے تو اس کا نتیجہ بھی ایسا سخت نہ پاتے۔ گناہ جب حکومت اور خلقت میں عام ہو جاتا ہے اور بے خوفی کے آثار نظر آتے ہیں۔ تو ان کی سزا دہی کیلئے ہو۔ ساکو فی ظالم پیدا ہو جاتا ہے اور جب وہ ساکو ظالم بھی اس طرح ظلم پر کمر باندھ لیتا ہے۔ تو اسکی سزا دہی کیلئے تیمور لنگ جیسے صاحب زور و طاقت پیدا ہو جاتے ہیں اور اسی طرح یہ سلسلہ قائم رہتا ہے غرض پانچ سال کے بعد خلق خدا کو اس ظالم کی بیرحمیوں سے نجات ملی ۔

۲ تاریخ پنجاب مطبوعہ ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۰۰ سید محمد لطیف صاحب نے لکھا ہے افسوس ہے۔ یہ قدیم عمارت جو شاہ جہان اور اورنگ زیب کے وقت کی یادگار تھی ۱۸۴۷ء کے انقلاب کی نذر ہو گئی جب کبھی جہانگیر شاہ جہان اورنگ زیب اور بہادر شاہ شاہ عالم اول لاہور آتے ہیں اور جب کبھی عیدین کا موقعہ ہوتا ہے تو یہیں نماز ادا کرتے ہیں نہایت شان و شوکت اور شاہانہ جلال کیساتھ انہی عیدین کی نماز یہیں ادا کی جاتی ہے جس کے آگے کئی کوس تک بھی نظر نہیں آتا اور جس کا جائے وقوع تک بھی معلوم نہیں ہو سکتا اور نہ ہی علاوہ شاہنشاہان ہند کے کسی اور کو یہ نصیب ہوا ہو گا۔ یہی عیدگاہ ہے جس میں شاہزادہ مراد کے ساتھ آئے تھے۔ سکھوں کے زمانہ میں اس کے کچھ آثار قائم تھے۔ انگریزوں کے زمانہ میں وہ بھی نہ رہے۔ معلوم ہوتا ہے جس میدان میں عیدگاہ تھی وہ میدان سکھوں کی حکومت میں گیا۔ صدافسوس صد افسوس ہے اب خاک ۔ یہ بھی غیر ہو گئی کبھی تھی۔

سیالکوٹ اور اس کے ملحقات کے قریب تھی۔ وہاں سکھوں اور مسلمانوں کا مقابلہ ہوا۔ سکھ شہر پر قبضہ نہ کر سکے۔ مگر انہوں نے قرب و جوار کے دیہاتوں کو دل کھول کر لوٹ لیا۔

مولانا الشیخ العالم حاجی محمد لاہوری جہانگیر کے زمانہ میں آپ خانہ ویران ہوئے ہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مریدوں اور فیض یافتوں میں تھے۔ مکتوبات حضرت امام ربانی میں مندرجہ ذیل مکتوبات حضرت مجدد رحمۃ اللہ نے آپ کے نام لکھے ہیں مکتوبات ۲۹-۳۲-۳۴-۳۵-۳۶ ایک جگہ حضرت مجدد نے آپ کو مولانا الشیخ العالم حاجی محمد لاہوری کے نام سے خطاب کیا ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کا درجہ حضرت کی نظروں میں کسقدر تھا۔ شیخ الامام کا خطاب بہت بڑا ہے۔ اور اس سے آپ کی فضیلت، بزرگی اور تبحر علمی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

شیخ محمد مفتی لاہوری خود بھی بڑے عالم تھے۔ لیکن زیادہ تر اپنے بیٹے شیخ عبدالمجید کی وجہ سے مشہور ہیں۔ جو حضرت مجدد الف ثانی کے تربیت یافتہ اور مرید تھے۔ مکتوبات مجددی کا مکتوب بست و دوم (۲۲) انہی شیخ عبدالمجید کے نام ہے۔

شیخ محمد مکی لاہوری حاجی قاری موسےٰ کے بیٹے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی کے فیض یافتگان میں تھے۔ ان کے باپ بھی مشہور عالم تھے۔ بست و یکم (۲۱) مکتوبات امام ربانی انہی شیخ محمد مکی کے نام ہے۔

حافظ محمود لاہوری یہ بزرگ بھی علم حدیث و فقہ کے ماہر کامل تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی سے جن کو ظاہری و باطنی فیض پہنچا ہے۔ ان میں آپ کا نام بھی خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ مکتوب ۲۲۵-۲۲۷-۲۵۱ و ۲۵۵ حضرت مجدد صاحبؒ نے آپ ہی کے نام لکھے ہیں۔

ملا بشیر محمد لاہوری یہ بزرگ بھی عہد جہانگیری میں لاہور کے نہایت نامور اور جید عالم گذرے ہیں۔ حضرت مجدد کے فیض یافتہ تھے۔ اور ان سے رسل و رسائل کا شرف رکھتے تھے۔ چنانچہ مکتوب نمبر ۱۵ آپ ہی کے نام ہے۔

مولوی ابوالفتح لاہوری علوم ظاہری میں صاحب کمال تھے۔ بعہد شاہ جہاں دہلی میں جن کا مزار لاہور میں پڑا۔ نے دریا کے کنارے [illegible] علوم عربی [illegible] ان کے شاگرد تھے آپ ہی کے [illegible] تھے [illegible] علوم لاہوری کے [illegible]

بھی صاحب کمال تھے۔ ان کے دادا سید عیسیٰ اور باپ سید عثمان کو ہمایوں نے جس کے ساتھ وہ ہرات سے ہندوستان آئے تھے۔ قلعہ شیخوپورہ مع متعلقات جواب پنجاب کا ایک نیا ضلع بنا ہے۔ اور اس زمانہ میں تو ابع لاہور تھا۔ جاگیر میں دیا۔ شاہ بلاول کی سید ابیش شیخوپورہ ہی کی ہے۔ مگر زمانہ اکبر جب لاہور کی رونق وہ چند ہو رہی تھی۔ آپ لاہور آ گئے۔ اور آخر یہیں کے ہو گئے ۱۰۴۸ھ میں بعہد شاہجہان انتقال کیا۔

مولانا ابوالخیر اصل وطن بغداد تھا۔ بعہد شاہجہان عازم لاہور ہوئے۔ میاں محمد حضوری وغیرہ زرگر سے فیض حاصل کیا۔ عالمگیر کے زمانہ میں ان کے علم و فضل کا چرچا بادشاہ تک بھی پہنچا۔ ان کو طلب کیا اور فرمایا۔ تم کو خدا نے علم کی بے بہا نعمت دی ہے۔ اس نعمت سے اوروں کو بھی مستفیض کرو۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے صوبہ لاہور نے آپ کے قیام و تدریس کے لیے ایک عالیشان مدرسہ تعمیر کیا۔ جس میں ایک مسجد پختہ گنبد دار بھی بنائی گئی۔ طالب علموں کے لیے چاروں طرف حجرے تعمیر ہوئے۔ اس زمانہ میں یہی حجرے بورڈنگ یا دارالاقامہ کا کام دیتے تھے۔ اس عالیشان مدرسہ کی تعمیل اصول اسی قلعہ کے طریق پر بنائی گئی۔ حکم ہوا۔ کہ تعلیم مفت جاری ہو۔ اور استادوں اور طلباء کے خرچ کا خزانہ لاہور سے کفیل ہو۔ مولوی صاحب کی وجہ سے اس مدرسہ کی آبادی اور رونق روز بروز بڑھتی گئی۔ اس محلہ کا نام انہی کے نام سے خیر گڈھ مشہور ہو گیا۔ ایک سو پانچ برس کی عمر میں مولوی ابوالخیر نے بعہد محمد شاہ بادشاہ مورخہ ۱۱ ربیع الاول سنہ ۱۱۴۵ھ بروز جمعہ بعد نماز عصر انتقال کیا۔ اور اسی مدرسہ میں مدفون ہوئے۔ ان کے بعد بھی ان کے ایک خلیفہ محمد نعیم نامی نے یہ مدرسہ جاری رکھا۔ لیکن محمد نعیم کے انتقال کے بعد ساکھوں کی غارت گری سے جہاں اور محلے ویران ہو گئے۔ وہ لیٹوں اور طالب علموں کا یہ محلہ بھی اجڑ گیا۔ اور یہاں ایک تیلی شاہ نامی ۱۲۱۲ھ میں آ بسا۔ جس کے نام پر اب اس کا نام گڈھی شاہو ہے۔ اور جو اب محلہ آباد ہے۔ ایک موضع ہے۔ راقم الحروف نے یہاں تصنیف کتاب ہذا میں مولانا کی قبر پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی اور قبروں کے۔ ماتھا ایک چار دیواری کے اندر واقع ہے۔ اور بلند چبوترے پر ہے۔ کوئی پختہ عمارت نہیں ہے۔ مولانا کی مسجد بھی دیکھی۔ جہاں حوض یعنی تالاب تھا۔ وہاں بھرتی ڈال کر اب عمارتیں بنگئی ہیں۔ اور جو جگہ بچ رہی ہے۔ وہی نیست بھی جاتی ہے۔

قدوۃ العلماء حضرت محمد شہر بلخی باپ کا نام شیخ احمد اشرف تھا۔ انکے بزرگ حدادی اور نجاری

کا کام کرتے تھے۔ مدفن ان کا ٹانڈہ ضلع ہوشیارپور میں ہے۔ مولوی احمد بخش چشتی بکدل کی خبر مطبوعہ ڈائری
میں آپ کا تھوڑا سا تذکرہ درج ہے۔ وہاں لکھا ہے۔ آپ گذر چابک سواران محلہ قاضی صدرالدین متصل
مسجد چینی خانہ شاہ نواز خان۔ حویلی آویزہ بیگ خان کے قریب رہتے تھے۔ ان کے بیٹے محمد بہرہ کا
انتقال حج کو جاتے ہوئے رستہ ہی میں ہو گیا۔ محمد بہرہ کا بیٹا محمد قطب الدین اور اس کا بیٹا محمد
فیاض تھا۔ محمد فیاض کا بیٹا محمد فتحیاب مولوی احمد بخش بکدل کے زمانہ میں زندہ تھا۔ آپ نے
اس کے علم و فضل کی بھی تعریف کی ہے۔ شہر یار کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ عالم متبحر پایہ فخر العلماء اور
قدوۃ العلماء تھے۔ لاہور ہی میں انہوں نے علم حاصل کیا تھا۔ شیخ عبدالنبی سالمی کے نامور مریدوں
میں تھے۔ مولانا محمد شہر یار کے دو بیٹے۔ ایک چٹھانی عورت سے بھی تھے۔ نجم الدین اور صدرالدین نام
تھا۔ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں آپ کا سلسلہ درس جاری رہا ہے۔

ایک مرتبہ احمد شاہ ابدالی نے عید کی نماز مسجد وزیر خان میں پڑھی۔ مولوی محمد صدیق امام مسجد نے جن کا
ذکر صفحہ نمبر ۱۲ پر درج ہو چکا ہے خطبہ میں اس کو سلطان عادل کہا۔ مولانا شہر یار بھی شامل نماز تھے
گزرا اور تھے۔ لوگوں نے ان کو خبر کی۔ کہ امام نے اس کو خطبہ میں سلطان عادل کہا ہے۔ حالانکہ اسکی افواج
نے شہر والوں پر سخت ظلم و تشدد کئے ہیں۔ اور اس نے کوئی داد رسی نہیں کی۔ آپ امام کے پاس
گئے۔ ابدالی بھی وہیں تھا۔ بادشاہ نے قدمبوسی کی۔ آپ نے منع کیا۔ اور فرمایا۔ او میاں یعنی او ظالم
میاں ترکی زبان میں ظالم کو کہتے ہیں۔ بادشاہ ناراض ہوا۔ اور لاہور سے آپ کو جلاوطن کر دیا۔ آپ
مسجد چینیاں والی کے امام تھے۔

نواب کرپا خان خان بہادر لاہور کا بیٹا اور نواب عبدالصمد خان ایلچی جہانگیر صوبہ لاہور کا پوتا اور نواب یحییٰ خان صوبہ لاہور کا بھائی
تھا۔ غلاموں کا والیہ تھا۔ ملتان سے آکر بھائی کے ساتھ لاہور میں جنگ کیا اور سکھوں سے ہار کر لاہور پر قابض ہو گیا۔ ۱۷۶۱ء میں
کی تحریک احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر کیا جب احمد شاہ آیا تو نواب شاہ نواز خان مقابلہ کو تیار ہو گیا۔ آخر شکست کھائی اور دہلی
ملک گیا۔ ۱۷۶۲ء میں شاہ ہندوستان دہلی سے کوچ کیا۔ سرہند الملک صوبہ لاہور سے لاہور پر چڑھنے کیلئے آیا۔ مقام بدھن میں جنگ ہوئی۔ مارا گیا۔
نواب دینہ بیگ خان جالندھر کا حاکم تھا۔ پنجاب میں اس کا بڑا زور رہا ہے۔ جب شہزادہ تیمور بن شاہ زمان درانی
احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ سے لاہور نکل گیا۔ اور سکھوں کا زور ہو گیا۔ تو نواب آویزہ بیگ نے سکھوں
کو نکالنے اور خود حاکم پنجاب ہونے کے لئے مرہٹوں کو ۱۷۵۸ء میں دعوت دی۔ چنانچہ مرہٹے آئے۔ اور
کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے نواب آویزہ بیگ کو اپنی طرف سے پنجاب کا صوبہ مقرر کیا۔ اور خود پھر لاکھ روپیہ
سالانہ نذرانہ اس سے مقرر کر کے آپ پنجاب سے چلے گئے۔ اسی سال نواب آویزہ بیگ کا انتقال ہو گیا۔
تراس کی بقول مصنف تاریخ پنجاب خان بہادر سید محمد لطیف اگو جر نواز اس ہے۔ آویزہ بیگ بعض دیہات ضلع
گورداسپور کا اسی کا آباد کردہ ہے۔

شیخ غلام رسول فقیہ ان کے حالات بھی مولوی احمد بخش یکدل مرحوم کی غیر مطبوعہ ڈائری سے ملے ہیں۔ لکھا ہے۔ بیشک ذات عالم تھے۔ علم فقہ پر بڑا عبور تھا۔ فقیر طبع اور صوفی منش تھے۔ حضرت شیخ محمد شہریار کے مریدوں میں سلسلہ نقشبندیہ میں تھے۔ خطیب اعظم درجہ کے تھے۔ شعر و سخن سے بڑی دلچسپی تھی۔ اور خود بھی شعر کہتے تھے۔ سنہ ۱۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ آہ در بلغ قصہ تاریخ وفات ہے۔ شیخ غلام رسول ٹانڈہ والے کے نام سے مشہور تھے (شاید وہیں سے لاہور آئے ہوں)

حضرت پیر مراد شاہ ۱۲۱۲ھ میں بمقام لاہور پیدا ہوئے۔ محلہ کھاری کھوئی اندرون بھاٹی دروازہ سکونت پذیر رہے۔ ماں باپ خاندانی دینی علم تھے۔ اور علم گھر کی میراث تھا۔ اس لئے باوجود اس کے کہ احمد شاہ ابدالی کے حملوں اور سلطنت مغلیہ کے چراغ سحری ہونے اور سکھوں کی غارت گریوں سے اس وقت شہر تھا۔ آپ نے ابتدائی علوم میں مہارت تامہ حاصل کرلی۔ سنہ ۱۲۳۵ھ میں آپ کے والد پیر کرم شاہ الشہیر ستان شاہ مع عیال و اطفال لکھنؤ چلے گئے۔ پیر مراد شاہ نے وہاں ہی علوم دینی کی تکمیل کی۔ سنہ ۱۲۴۲ھ میں وطن کو روانہ ہوئے۔ رستہ میں شاہجہانپور کے قریب ٹھاکروں سے لڑتے ہوئے پیر کرم شاہ شہید ہوگئے۔ پیر مراد شاہ بریلی الہ آباد اور پھر لکھنؤ وغیرہ کی سیر کرکے اور بریلی میں حضرت مولانا بدرالدین رشکی ثم لکھنوی کے ہاتھ پر بیعت کرکے سنہ ۱۲۴۷ھ میں واپس لاہور آئے۔ یہ زمانہ زمان شاہ ابدالی (احمد شاہ ابدالی کے پوتے) کا تھا۔ اور پنجاب اور بالخصوص لاہور میں افغانوں کے حملوں اور سکھوں کی لوٹ مار سے کوئی اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھتا تھا۔ زمان شاہ جب سنہ ۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶ء میں لاہور سے کابل کو روانہ ہوا ہے۔ تو پیر مراد شاہ نے تاریخ رفتن لکھی۔ جس کے چند اشعار سے لاہور کی اس وقت کی حالت بھی ظاہر ہو سکتی ہے۔

برائے غارت و تاراج پنجاب — چو رزم آسیمہ تر آمد دماں رفت
ز دست جور آں غول سیہ بال — عجب حالت بجاں ہر شہریاں رفت
کجا در بستکدہ ناقوس ماندے — کہ اکثر از مساجد اذاں رفت
مراد از جودت طبع رسائے — بگفتا ناگہاں شاہ زماں رفت

اسی زمان شاہ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو دولت دریائے جہلم سے نکالنے کے صلہ میں پنجاب کی حکومت بخش دی تھی۔

آپ اس زمانہ میں جب کہ ملک میں دفتری زبان فارسی تھی، اور مدارس میں بھی فارسی تعلیم ہی کا چرچا تھا۔ اردو میں باوجود پنجابی نژاد ہونے کے نہایت اعلیٰ درجہ کی شاعرانہ قابلیت دکھائی ہے۔ آپ کو فارسی اور اردو کی نظم و نثر میں یکساں مہارت تھی۔ ماہر یداں اور مراد المبین (بخط) تصنیف ہیں۔ افسوس ہے کہ عمر نے زمانہ کی دست برد سے کچھ علمی یادگار نہیں چھوڑ جانے دیا۔ ۱۸۹۶ء میں موضع ریدوں کے ایک گاؤں مزارنہ (واقعہ تحصیل رعیہ ضلع سیالکوٹ) میں وفات پا گئے۔ آپ کو اپنے برادر عزیز حضرت قلندر شاہ سے بے حد الفت تھی۔ اکثر منظوم خط و کتابت طرفین سے ہوتی تھی۔ پیر محمد شرف عالم شاہ صاحب موضع رندر کوٹلی پیراں کے جاگیردار اور سلطانی خاندان دستگیر نامی (لاہور) مصنف کتب متعددہ آپ ہی کے خاندان سے ہیں۔

پیر قلندر شاہ قریشی حضرت پیر مراد شاہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ وطن لاہور محلہ کھاری کھوئی تھا۔ ایک عرصہ تک تکیہ کمان لاہور کو آب زلال سے سیراب کرتے رہے۔ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ لکھنؤ، دہلی، الہ آباد، بنارس، بریلی وغیرہ کی سیر کی۔ آپ کے چند نظمیں یادگار ہیں۔ بیان حق جس میں نظم فارسی عقائد اہل سنت والجماعت کا ہے۔ حلیہ شریف رسول کریم فارسی و اردو نظم میں۔ معراج القبول جس میں دلائل واضح و براہین قاطعہ سے ثابت ہے۔ مکتوبات۔ دیوان قلندر فارسی۔ آخر الذکر دو کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔

پیر فرخ بخش قریشی اپنے دونوں متذکرہ صدر بھائیوں کی طرح عربی اور فارسی میں صاحب کمال تھے۔ ان کے کسی خاص درس کا پتہ نہیں ملا۔ لیکن انکی تصانیف معلوم ہوئی ہیں۔ جن میں بعض قلمی ہیں۔ شرائط سماع کہ مطبوعہ ہے۔ انوار قلندری کی ایک حصہ بھی چھپ چکا ہے۔ جس میں آپ نے اپنے بھائی قلندر شاہ کے مفصل حالات کے ضمن میں تمام بزرگان خاندان کے مجمل حالات بیان کئے ہیں۔ مذہبی عقیدہ اور اوراد۔ احوال جنگ سیالکوٹ (نظم فارسی) علاوہ ازیں کچھ مکتوبات بھی ہیں۔

پیر سکندر شاہ قریشی یہ نوجوان علم و فضل کا پتلا بزرگی بہ عقل حسنہ و جمال کا صحیح مصداق تھا۔ صرف بیس سال کی عمر تھی۔ کہ ۱۲۳۳ھ میں انتقال کر گیا۔ سکندر شاہ اپنے تمام بھائیوں سے [illegible] تھے۔ مگر سب سے پہلے انتقال کر

گئے۔ مذہبی علوم میں واقفیت تامہ تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں جو کچھ ان کی یادگار بصورت مکتوبات اور چند غزلیات موجود ہے۔ وہ اہل دل کو تڑپا دینے کے لئے کافی ہے۔ ملاحظہ ہوں چند اشعار

نے یار سرخ خانہ و راہ دیار خود — چو اشک طفل مرا فتم بدامان کنار خود
بتار موئے مژگاں دوختم من چشم حیران را — دگر از رشتہ بالا کردہ ام چاک گریباں را
ببزم خیال روئے تو از دل نے شود — نقشت چنان نشست کز دل نے شود
اشکم ز سر گذشت و بآوج سما رسید — این طفل بے پدر ز کجا تا کجا رسید
شکم ز غم گرسنہ چنان کہ بست کہ تر نشوم — خراب و زار و پریشان ازیں بتر نشوم
تو ابر رحمت و من خشک لب دریا — بہار زود کہ تا خشک بے ثمر نشوم

مولوی عبید اللہ حاکم لاہور

احمد شاہ ابدالی کو سکھوں کی شورش کی وجہ سے بار بار پنجاب آنا پڑتا تھا۔ جب وہ آتا۔ تو سکھ جنگلوں غاروں اور پہاڑوں میں چھپ رہ جاتے تھے۔ جب وہ چلا جاتا تو پھر نکل آتے اور حاکمان لاہور کو تنگ کرتے اور علاقہ میں لوٹ مار کرتے رہتے۔ ایک مرتبہ جب لاہور سے حاکمان رگھوجر سنگھ بھنگی سے بھاگ کر ملتان آیا۔ اور شہر میں دوملی کی بجائے سہ ملی کا راج ہوا۔ تو احمد شاہ پھر کابل سے باہر نکلا۔ جب شاہدرہ تک آیا۔ تو سہ حاکمان لاہور سر پر پاؤں رکھ کر کہیں غائب ہو گئے احمد شاہ نے مولوی عبید اللہ کو جس کے علم و فضل کی وجہ سے اہل شہر اس کا بہت ادب کرتے تھے۔ لاہور کا حاکم بنایا۔ مولوی صاحب مسند درس سے مسند حکومت پر متمکن ہوئے۔ جب وہ چلا گیا تو سہ حاکمان لاہور نے پھر سر نکالا۔ مولوی صاحب نے شہر کے دروازے بند کرا دیئے۔ ایک ماہ تک یہی حالت رہی۔ آخر اہل شہر تنگ ہو کر خود ہی دروازہ کھول دیا۔ تینوں سردار شہر میں آ گئے۔ داؤد خان مولوی صاحب کا نائب تھا۔ سکھوں نے اسے توقلعہ کے تہ خانہ کے اندر بند کر دیا۔ اور مولوی عبید اللہ صاحب کو ہم وطنی کی وجہ سے [illegible] اور ان کی فضیلت کی وجہ سے کچھ نہ کہا۔ آخر دو ماہ کے بعد مولوی صاحب کی سفارش سے داؤد خان کو بھی چھوڑ دیا۔

واقعہ ۱۷۶۲ء بتا اس کے ایک دو سال پس و پیش کا ہے۔

قاضی نظام الدین قاضی القضاۃ لاہور

لاہور کے ایک فاضل اجل بزرگ تھے احمد شاہ ابدالی کے زمانہ سے لاہور کے قاضی چلے آتے تھے۔ سکھ حاکمان لاہور نے بھی ان کی قضا میں کوئی دخل نہ دیا۔ ملازمہ قضا کے جسٹراری کا کام بھی کرتے تھے یعنی وثیقہ جات کی تحریر و تصدیق کا کام بھی آپ کے ذمہ تھا۔ جب ماہ بھادوں سمت ۱۸۵۸ بکرماجیت مطابق ۱۸۰۱ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سکھ دراک ان لاہور کو نکال کر لاہور پر اپنا قبضہ کر لیا۔ تو اکثر اہلکاران قدیمی اور علما فضلا حاضر خدمت ہوئے۔ قاضی نظام الدین بھی آیا اور اجازت طلب کی کہ آئندہ یہ کام کس طرح ہوگا۔ فرمایا جس طرح یہ کام شاہان اسلام سے تمہارے سپرد رہا ہے اسی طرح اب بھی رہے گا۔ ہر ایک قبالہ کی تصدیق اپنی مہر اور اپنے دستخط سے کرو۔ اور ایسی کوئی بات نہ کرو جس سے رعایا میں جھگڑا اور خرخشہ ہو۔ یہ کہہ کر عہدہ قضا کی پگڑی بنائی۔ اور خلعت فاخرہ دیکر رخصت کیا۔

اندرون موچی دروازہ کا محلہ قاضیخانہ انہی کے نام پر ہے۔ سکھوں کے آخری دنوں میں قاضی عظیم الدین صاحب قضا تھے۔ انگریزی عہد کی ابتدا میں قید و تماشی تک نوبت پہونچی اور قاضی خانہ کی رونق جاتی رہی۔ اب نام ہی نام ہے۔

فاضل لاہوری عرف مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

علمائے ہند بالکل علمائے اسلام کے متعلق جسقدر متقدمین و قابل اعتماد تذکرے ہیں ان سب میں مولانا عبدالحکیم کا ذکر ہے۔ سبحۃ المرجان میں خصوصیت سے آپ کا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ راقم الحروف اپنے مکرم دوست "مولوی فاضل" مولوی میر کشن کاشمیری کا شکر گزار ہے۔ جنہوں نے سبحۃ المرجان سے مولانا عبدالحکیم کے حالات کا ترجمہ کر کے کتاب ہذا میں شامل کرنے کے لئے ارسال کیا ہے۔ مولوی عبدالحکیم کا درس سیالکوٹ یعنی ان کے اپنے وطن میں شروع ہونے سے پہلے لاہور آگرہ میں برسوں تک جاری رہا ہے۔ مولوی صدیق حسن بھوپالی نے اپنی کتابوں میں ان کا اکثر ذکر کیا ہے۔ اور جہاں ان کا قول نقل کیا ہے

لہ بحوالہ تاریخ لاہور رائے کنہیا لعل مگر بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ رنجیت سنگھ نے ۱۷۹۹ء میں لاہور پر قبضہ کیا ہے۔

وہاں فاضل لاہوری کے نام سے اُن کو یاد کیا ہے۔ اور طبقہ علماء و فضلاء میں اسی نام سے آپ زیادہ تر مشہور ہیں ۔

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی[1] پنجابی[2] اہلِ علم کے پیشوا و امام اور علم و فضل کے روشن ستاروں کے بدر تمام ہیں۔ ان کی پیدائش، سکونت و معاشرت کا فخر خطۂ سیالکوٹ کو حاصل ہے۔ ہوش سنبھالتے ہی طلبِ علم کی خواہش ہوئی۔ مولانا کمال الدین کاشمیری ان دنوں سیالکوٹ میں مقیم تھے۔ ان کے شاگردوں میں شامل ہوئے۔ تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔ کہ یہ ہلال بدر کامل ہو کر ایک عالم میں چمکنے لگا۔ ان کی علمی استعداد اپنے پورے کمال کو پہنچی۔ جہانگیر بادشاہ کا دورِ حکومت تھا۔ کہ آپ شاعت و اسلام میں مشغول ہوئے منطق، معقول، نحو اور علوم دینیات میں آپ یکتائے زمانہ تھے۔ جہانگیر نے کئی مرتبہ دربار میں بلوایا۔ اور عطائے انعام و اکرام سے سرافرازی بخشی۔ شاہجہان نے دو دفعہ آپ کو ہموزن روپیہ کے ساتھ ترازو میں وزن بھی کرایا۔ اور وہ روپیہ آپ کو دیا۔ یہ روپیہ کی تعداد ہر دفعہ چھ ہزار تھی۔ علاوہ ان اعزاز بخششوں کے بطور جاگیر کئی گاؤں عنایت فرمائے آپ معاش سے بے فکر ہو کر اپنے قیمتی اوقات کو اعلیٰ درجہ کی تصانیف اور شغلِ تدریس میں صرف کرنے لگے۔ ۸ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ کو سیالکوٹ میں انتقال کیا۔ اور وہیں مدفون ہوئے ۔

طبقۂ علماء میں آپ کی تصانیف بڑی قدر سے دیکھی جاتی ہیں۔ عرب و عجم میں ان کو امتیاز خاص حاصل ہے۔ ہندوستان کی اکثر علمی و مذہبی درس گاہوں میں بھی ان کا سلسلۂ درس و تدریس اب تک جاری ہے۔ آپ نے زیادہ تر حاشیئے اور شرحیں ہی لکھی ہیں۔

---

[1] مولانا کے مفصل و مکمل حالات کے لئے جن میں عالم جنات اور ان کے ہم مکتبوں حضرت مجدد الف ثانی رح، نواب سعد اللہ خاں وزیر شاہجہان اور مشہور سیالکوٹ کا بھی ذکر ہے راقم الحروف کی کتاب سوانحعمری مولانا عبدالحکیم ملاحظہ ہو ۔

[2] پنجاب اس زمانہ میں دو صوبوں کا مجموعہ تھا صوبہ لاہور جس کی ایک طرف پشاور تک اور دوسری طرف سرہند تک وسیع تھی، دوسرا صوبہ ملتان جو سندھ کی سرحد تک پھیلا ہوا تھا۔

چونکہ لاہور میں بھی آپ کا درس رہا ہے۔ اور اہل لاہور زمانہ اکبر سے عرصہ تک آپ کے علم و فضل سے مستفیض ہوتے رہے ہیں اس لئے لاہور کے طبقہ علماء و فضلا میں آپ کا ذکر مناسب سمجھا گیا۔

شیخ احمد لاہوری میر عدل جہانگیر نے اپنی تزک میں ۱۰۱۴ھ کے سفر کشمیر کے دوران میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے "دریں منزل منصب میر عدلی را بہ شیخ احمد لاہوری مرحمت نمودم۔ و در ایام شہزادگی من ہم میر عدل بود و درخدمت جمیع اوقات او را یاد بے فرمودم۔ و از مریدان تربیت یافتہ من است" ان سطور سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر ان کا بے حد قدر دان تھا۔

حضرت شاہ عنایت قادری شطاری شیخ المشیوخ حضرت شاہ عنایت اللہ صاحب ارائی قوم کے سرتاج اور مسلمانوں کے چشم و چراغ تھے۔ نام محمد عنایت اللہ کنیت ابو المعارف۔ خاندان کے بزرگ لاہور میں رہتے تھے اور درس و تدریس کا شغل رکھتے تھے۔ آپ کے والد پیر محمد قصور (ضلع لاہور) میں اپنے سسرال کے ہاں جا رہے۔ آپ اسی جگہ ۱۰۵۶ھ میں بعہد شاہجہان پیدا ہوئے پانچ برس کی عمر میں کلام مجید حفظ کیا۔ نو برس کی عمر میں فارسی عربی کی درسی کتابیں پڑھ گئے۔ بارہ برس کی عمر تھی کہ دستار فضیلت حاصل کی۔ علوم ظاہری کے بعد علوم باطنی کا شوق پیدا ہوا۔ بہت سی تلاش و جستجو کے بعد لاہور آکر حضرت شاہ محمد رضا قادری شطاری کی بیعت کی اور وہ درجہ حاصل کیا کہ تھوڑے ہی دنوں میں صاحب کمال ہو گئے خزینۃ الاصفیا (فارسی) میں مفتی غلام سرور نے آپ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ شاہ محمد رضا قادری نے اپنے پیر و مرشد کے حکم سے قصور گئے وہیں سید بھیکھ شاہ نے آپ سے بیعت کی۔ خلقت کا رجوع چاروں طرف سے ہونے لگا حسین خاں افغان حاکم قصور نے اس اجتماع سے خوفزدہ ہو کر آپ کی مخالفت کی۔ آپ قصور چھوڑ کر لاہور چلے آئے اہل لاہور نے آنکھیں فرش راہ کیں اور جہاں تک ممکن ہوا انکی عزت کی۔ لاہور میں قیام کر کے آپ نے درس علوم ظاہری و باطنی کا جاری کیا وہ قائم رکھا۔ صدہا بلکہ ہزارہا اشخاص مستفیض ہوئے اور عالم و صوفی بن کر نکلے۔ حدائق الحنفیہ میں لکھا ہے آپ فقیہ

فاضل اور صوفی کامل تھے۔ شرح وقایہ کے حواشی المسمی بہ غایۃ الحواشی دو جلدوں میں تصنیف کئے اور کنز الدقائق کی شرح لکھی۔ مولوی صوفی اکبر علی صاحب نامور مصنف سلیم التواریخ لکھتے ہیں علم سلوک (تصوف) میں دو کتابیں آپ کی تصنیف سے راقم کی نظر سے بھی گذری ہیں ایک کا نام دستور العمل ہے جو عملیات کی ایک جامع کتاب ہے دوسری کا نام لطائف غیبی ہے جس میں اوراد اذکار اور اشغال واذکار درج ہیں آپ کے درس میں قرآن شریف، تفسیر، حدیث، مثنوی مولانا روم اور دیگر کتب تصوف شرح وبسط کے ساتھ پڑھائی جاتی تھیں۔ طالب دور دور سے آتے تھے اور مستفیض ہوتے تھے۔ آپ کے ہاں محفل سماع بھی منعقد ہوتی تھی جس میں دیوان حافظ۔ دیوان مغربی۔ دیوان شمس تبریز۔ احمد جام۔ عراقی اور ملا شاہ وغیرہ عرفائے کاملین کا کلام پڑھا جاتا تھا۔ قضا بعمر ۸۵ سال بعہد محمد شاہ بادشاہ ۱۱۴۱ھ میں آپ بمقام لاہور انتقال کر گئے۔ صاحب حدائق الحنفیہ نے مخزن دوران اور صاحب خزینۃ الاصفیا نے "دگر تاج یقین اہل عنایت" سے تاریخ وفات نکالی ہے آپ کے کئی خلفائے کامل ہوئے ہیں لیکن حضرت سید بلھے شاہ صاحب جن کی کافیاں اہل پنجاب کی روحانی غذا ہیں۔ آفتاب عالمتاب ہو گزرے ہیں۔

حضرت شاہ عنایت کی اولاد اب تک لاہور میں موجود ہے۔ اکثر امامت اور درس قرآن میں مصروف ہیں۔ بعض ملازمت سرکاری میں اعلیٰ عہدوں پر پہنچے ہوئے ہیں۔

مزار آپ کا لاہور میں چڑیا گھر کے قریب ایک کوٹھی کے احاطہ کے اندر ایک اونچے چبوترہ پر زیارت گاہ خاص و عام ہے مزار کی حالت اب وہ نہیں جو پہلے تھی اور نہ وہ اراضی معافی کی کہیں موجود ہے۔ تاہم آپ کی اولاد نے جو ایک انجمن بنام انجمن خادمان شاہ عنایت قائم کی ہے اس نے مزار مبارک اور باقی کل قبروں کی مرمت کرادی ہے اور فرش کا احاطہ پختہ بنوا دیا ہے اسی انجمن کے زیر اہتمام ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو حضرت شاہ عنایت کے مزار پر وہوم دھام سے میلہ ہوتا ہے

۱۳۔ قاضی غلام محمد چشتی سبزواری

بزرگ آپ کے علاقہ سبزوار سے نقل مکان کر کے صوبہ ملتان میں آئے اور متصل اوچ شریف

مله شیخ سراج الدین صاحب پرسنل اسسٹنٹ پوسٹماسٹر جنرل پنجاب۔ شیخ غلام محی الدین صاحب تحصیلدار وغیرہ

موضع احمد پور میں آباد ہوئے۔ جب شہنشاہ عالمگیر تک آپ کی شہرت و علمیت اور آپ کی دیانت و امانت کا چرچا پہنچا تو ان کو بلوایا اور لاہور کا قاضی مقرر کیا۔ تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ وہ کئی برس تک لاہور کے قاضی رہے آپ کو فن طبابت میں بھی مہارت کامل تھی صدہا لوگ فیض اٹھاتے تھے لاہور کی مشہور مبارک حویلی جس میں زمانہ مہاراجہ رنجیت سنگھ شاہ شجاع اور اپنی بیگمات کے مقیم تھا اور جس میں اب نواب فتح علی خاں قزلباش رہتے ہیں، انہی قاضی صاحب کے برادر زادہ میر ذوالفقار علی کی تعمیر کردہ ہے اسی زمانہ سے یہ خاندان لاہور میں آباد ہے۔ قاضی غلام محمد عربی فارسی اور فقہ و حدیث اور علم منطق و معقول میں درجہ اولیٰ رکھتے تھے اور لاہور کی علمی مجلسوں کی رونق تھے۔

مولانا عبدالعزیز عزت دہلوی ثم اللاہوری دہلی میں اس نام کے تین اہل علم بزرگ گزرے ہیں ایک مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ابن مولانا شاہ ولی اللہ ابن شیخ عبدالرحیم جو سب سے زیادہ مشہور ہیں ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے، شوال ۱۲۳۹ھ کو وفات پائی۔ عرب و عجم اور سارے ہندوستان میں آپ کے علم و فضل کی شہرت ہے۔ دوسرے شیخ عبدالعزیز ابن شیخ حسن بن طاہر جو عہد اکبری کے مشائخ کبار سے تھے۔ عبدالقادر مورخ بدایونی نے بھی آپ سے استفاضہ علمیہ کیا ہے صاحب تصانیف بھی تھے ۱۰ جمادی الاولیٰ ۹۸۳ھ کو فوت ہوئے۔ قطب طریقت ماندہ ماوہ تاریخ ہے۔ تیسرے مولانا عبدالعزیز عہد عالمگیری کے ممتاز عالم تھے عزت تخلص فارسی شعر بہت اچھا کہتے تھے۔ آپ کے والد شیخ عبدالرشید عالم جید اور سپاہ حضرت شاہ عالمگیر مدرس مدرسہ اکبر آباد تھے۔ مولانا عبدالعزیز علاوہ دیگر علوم کے اہل تشیع کے ساتھ مناظرہ کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ آخر عمر میں لاہور چلے آئے تھے یہاں بھی آپ کے علم و فضل کا کمال چرچا ہوا۔ لوگ جوق جوق جمع ہوتے اور فوائد علمیہ حاصل کرتے۔ لاہور ہی میں ۱۱۸۲ھ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ رسالہ فتح العزیز اور رسالہ اثبات خلافت وغیرہ آپ کی تصنیف ہیں[1]

[1] اکمل التاریخ حصہ اول صفحہ ۳۱۸ مرتبہ مولوی محمد یعقوب صبا قادری بدایونی

مولوی حافظ غلام رسول چٹہ محلیا

بابا حاجی نور محمد[1] لکھیا کی اولاد سے تھے ان کے آباؤ اجداد اکبر بادشاہ کے زمانہ سے لیکر نادر شاہ اور احمد شاہ درانی کے عہد تک رئیس ابن رئیس گذرے ہیں چٹہ محل کہلاتا محل ان کے عالیشان مکان کا نام تھا اور اسی لئے چٹہ محلیا مشہور تھے تجارت و زمانت کے ساتھ سخاوت کا سلسلہ بھی برابر قائم تھا دنیا کی سستی کے باوجود عزت کو نہیں چھوڑا اور نسلاً بعد نسلاً ان کے خاندان میں حافظ قرآن ہوتے رہے ہیں۔ مولوی غلام رسول تجارت بھی کرتے تھے اور عصر سے عشا تک مسجد گیلیانیاں میں وعظ اور درس فقہ کا سلسلہ بھی جاری رکھتے تھے کامل فقیہ اور زاہد تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں ان کے درس کا بڑا چرچا تھا ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۳ء میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کا سال وفات ہے لاہور میں انتقال کیا۔ حافظ غلام رسول خوش خوان اور وفات ۱۲۶۹ھ حافظ امیر بخش خوشنویس جید و ملازم نواب ملتان سکنہ لاہور۔ مولوی کریم الدین فاضل جلیل اور مولوی محی الدین فوق مصنف کتب متداولہ چٹہ محلیا خاندان ہی سے تھے۔

میاں عبدالوہاب لاہوری

ان کے حالات اس سے زیادہ معلوم نہیں ہو سکے کہ شیخ عثمان ہالانڑ ہی کے خلیفہ تھے اور میاں محمد یار کاشمیری کے مرشد اور استاد تھے۔ میاں محمد یار کی مجلس میں علماء و فضلا کا جم غفیر رہتا تھا۔ رسالہ قطرات اور رسالہ ضروریہ ان کی یادگار ہیں کشمیر کے نامی آدمی تھے لیکن علمائے وقت سے بیحد محبت کا اثر تھا اس لئے دولت وغیرہ سب ترک کر دی تھی اور ۱۰۱۸ھ کو بعہد اورنگ زیب عالمگیر سرینگر میں انتقال کیا۔

---

[1] حاجی نور محمد کا مکان لاہور میں اسی جگہ تھا جہاں آج کل انارکلی کے عقب اور میسرز جارج پٹرسن کے متصل کمپنی باغ واقع ہے حاجی نور محمد لاکھوں اور کروڑوں کی تجارت کرتے تھے پیادہ پا حج کو گئے تھے نہایت نیک اور پارسا تھے ایک مرتبہ شاہجہان لاہور میں تھا اسکو روپیہ کی ضرورت پیش آئی۔ حاجی نور محمد کو بلوایا اور کہا بابا جی مجھے پیش از وقت حاجت روپیہ بیحد ہے "حاجی نے فوراً چار کروڑ روپیہ پیش کر دیا۔ بادشاہ کے مہم سے فارغ ہونے کے بعد روپیہ واپس دینا چاہا۔ حاجی نے کہا جو کچھ تھا آپ کا تھا آپ میرے بیٹے ہیں اس لئے "میں نے قلیل پر اکتفا کی اور زیادہ حرام ہے" اسی سے ان کا نام لکھیا اور ان کے محلہ کا نام لکھیا محلہ مشہور ہوا۔ راقم سطور ان بابا حاجی کی بڑی عزت و تعظیم کرتا اور بوقت کلام بابا کے الفاظ سے یاد کرتا تھا ۱۲ منہ

مولوی حافظ جان محمد تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ آپ نواب زکریا خاں صوبہ لاہور کی صاحبزادیوں کے استاد تھے یہ زمانہ ۱۱۶۲ھ یا ایک دو سال آگے پیچھے کا ہے حکام وقت ان کے علم و فضل کیوجہ سے انکی بہت قدر کرتے تھے انکے خوان علم سے صدہا لوگ مستفیض ہوئے حضرت حامد قاری کے خاندان میں تھے اور انکی خانقاہ میں ایک عرصہ تک درس دیتے رہے انکے صاحبزادہ مولوی حافظ رحمت اللہ کے ذریعہ بھی بہت لوگ فیضیاب ہوئے انکا درس بھی خانقاہ حضرت حامد قاری میں جاری رہا [illegible] آپکے صاحبزادہ مولوی محمد بخش صحافت سے پہلے مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اسکے جانشینوں کے عہد میں تجارت کتب اور صحافی کا ایک عظیم کارخانہ کھولا جسپر ہزاروں روپے ماہوار کا خرچ آتا تھا اور جسمیں متعدد مصور نقاش خوش نویس اور جلد ساز کام کرتے تھے اس زمانہ میں پنجاب میں چھاپے کا رواج نہ تھا ان کے کارخانہ کی کتابیں مضبوط تختوں پر ایسی خوبصورتی سے جلد بندی کی گئیں کہ برسوں کے بعد بھی نئی معلوم ہوتی ہیں انہوں نے تاریخ لاہور میں ان کا ذکر کیا ہے مفتی غلام سرور نے گنج تاریخ میں "نذر احمد محمد بخش" سے آپ کا قطعہ تاریخ دفات نکالا ہے خواجہ احمد کشمیری (رئیس اعظم حضرت بیجاپور) نے کشمیر سے آکر دوبارہ حضرت بیجاپور پر قبضہ کیا اور مسجد اور خانقاہ کی مرمت کرکے مولوی محمد بخش کو اس کا متولی مقرر کیا۔[۵۴]

الاعبد الحمید شاہجہانی اصل وطن لاہور تھا۔ نہایت عالم فاضل اور مدبر تھے جب شاہجہان [illegible] ان کو اپنی تاریخ لکھنے کے لئے بلوایا ہے تو آپ پٹنہ میں [illegible] سرکاری خدمت پر مامور تھے۔ شاہجہان نے حکم دیا تو انہوں نے جس طرز پر اکبر نامہ مرتب کیا ہے اسی نمونہ پر ہماری سلطنت کا حال لکھا

[illegible] حکام وقت کی تصویر افزائیوں نے بھی آپ کو مالا مال کر رکھا تھا آپکی وفات ۱۷ جمادی الاول ۱۲۱۵ھ کو ہوئی [illegible] مولوی محمد بخش مہجاف کے سلسلہ جلیل میں مولوی حامد بخش، مولوی محمد بخش اور حافظ خیر الدین، مولوی حافظ بخش کے پوتے مولوی غلام محی الدین اور حافظ خیر الدین کے پوتے مولوی غلام نظام الدین لاہور میں موجود ہیں مولوی نظام الدین قومی کاموں میں ہدایت دلچسپی و سرگرمی سے کام کرنے کے باعث لاہور کی مسلم سوسائٹی میں مشہور و معزز ہیں۔ مولوی فضل دین کے پوتوں میں میاں جمال الدین اخلف مولوی فیروز الدین۔ ان بھوی کے علاوہ فروٹ [illegible] کمال کیا ہے۔

جائے۔ ملا عبدالحمید سے پیشتر محمد امین قزوینی بن ابوالحسن قزوینی عرف مرزا امینا کو شاہجہان نے ۱۰ سنہ جلوس میں اپنے عہد کی تاریخ لکھنے کا حکم دیا تھا اس نے ۱۰ سنہ سلطنت سے دس سال تک کا حال لکھ کر ۱۰ سنہ جلوس میں بادشاہ کی نذر کیا ملا عبدالحمید نے دس سال کے حالات تو پادشاہ نامہ محمد امین قزوینی سے لیے اور ۱۰ سنہ جلوس سے ۳۰ سنہ جلوس شاہجہانی تک کے حالات خود لکھے۔ معلوم ہوتا ہے ۳۰ سنہ جلوس مطابق ۱۰۶۷ھ میں یا تو ملا عبدالحمید کا انتقال ہو چکا تھا یا یہ خدمت اس سے لے لی گئی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ ۳۱ سنہ جلوس سے ۳۲ سنہ جلوس تک کا حال محمد وارث نے لکھا ہے اور ملا عبدالحمید کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ ملا عبدالحمید اپنے زمانہ میں یوں تو تمام علوم پر حاوی تھا مگر تاریخ سے اسے خاص دلچسپی تھی۔

مولوی نظام الدین عرف پیر مہکا

گیارہویں صدی ہجری کے اواخر اور بارہویں صدی ہجری کی ابتدا میں لاہور میں ان کا فیضان علم جاری رہا ہے پیر مہکا ان کو اسلیے کہتے ہیں کہ جو کوئی مہکوں والا ان کے پاس جاتا تھا ان کی دعا سے شفا پاتا تھا اب تک یہ سنت ان کی قبر پر جاری ہے اور وہاں لوگ جاتے اور پھولوں کا سہرا بطور نذر چڑھاتے ہیں مولوی نور احمد چشتی مصنف تحقیقات چشتی نے پانچویں بہشت میں اپنے آپ کو ان کے خاندان سے ظاہر کیا ہے وفات مولوی نظام الدین کی ۱۱۰۰ھ مطابق ۱۶۸۸ء کو ہوئی اور نگ زیب عالمگیر ہوئی۔ مقبرہ ان کا متصل موضع گڑھی شاہو۔ جنوب رویہ ریلوے سڑک میانمیر موجود ہے۔ قاضی ضیاء الحق (جن کی اولاد سے مولوی احمد بخش یکدل اور مولوی نور احمد چشتی ہیں) اور قاضی بہاء الحق جن کی اولاد اورنگ آباد وغیرہ میں سکونت پذیر ہے آپ کے برادر زادے تھے مولوی ضیاء الحق کا درس بھی لاہور میں جاری رہا ہے۔

امام غلام محمد المشہور امام گاموں

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں آپ مسجد وزیر خاں کے امام تھے مہاراجہ آپ کی بڑی عزت کرتے تھے مسجد وزیر خاں محض آپ کی بدولت اس زمانہ میں سکھوں کے قبضہ اور

افلت سے بچی رہی ورنہ بادشاہی مسجد اور شہری مسجد اور دیگر عمارات شاہی سب سکھوں
کے قبضہ میں تھیں۔ اولیاء کرام اور فقراء باکمال کیطرف آپ کا بڑا رجوع تھا۔ زہد و تقویٰ
میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے قرآن شریف کی کتابت ذریعہ معاش تھی اس سے بھی جو
کچھ بچتا۔ فقراء و اولیاء اور طالبان علم پر خرچ کر دیتے۔ وعظ آپ کا بڑا پر تاثیر تھا۔ شیخ
عبداللہ بلوچ جنکا مقبرہ قصبہ مزنگ متصل مسجد کلاں واقع ہے اور جن کا ذکر بھی اسی کتاب
میں درج ہے آپ کے مرشد تھے۔ سلسلہ آپ کا قادریہ تھا۔ شریعت ظاہری اور باطنی
دونوں میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ کتاب گنج مخفی آپ کی تصنیف ہے جس کے چند اشعار
درج کیے جاتے ہیں۔

گنج مخفی ست در تو اے دلدار — بیخبر زاں نشستہ چوں مار
خبر شرط است میکنم بشنو — پندہ از گوش خویش بیروں آ
چیست آں پندہ خواب غفلت تو — باش زیں خواب جان من بیدار
گر تو بیدار باشی اے جانم — پیش تو من عجب کنم گفتار

دوسری کتاب شمس التوحید فارسی نثر میں۔ پنجابی زبان میں بھی آپ کے ابیات
موجود ہیں۔ غریب آپ کا تخلص ہے۔ شب شنبہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۳۲ھ کو آپ وفات پا گئے
اسی تاریخ کو آپ کا ختم اور عرس ہوتا ہے۔ مقبرہ آپ کا بعمارت پختہ مسجد وزیر خاں
سے باہر جنوب کی طرف واقعہ ہے آپ کی طول طویل خاندانی امامت کا سلسلہ آپ کے
پوتے مولوی فرزند علی صاحب خلف امام حافظ محمد صاحب پر بوجہ مقدمات ختم ہو گیا۔

امام غلام محمد کے والد کا نام حافظ محمد صدیق تھا جنکا تذکرہ اسی کتاب کے صفحہ ۱۲ میں
ہے امام محمد صدیق لاہور کے جلیل القدر عالم اور مسجد وزیر خاں کے بے نظیر امام تھے۔ احمد شاہ
ابدالی آپ کے علم و فضل اور کمالات کا بڑا معتقد تھا۔ سلک امامت بے نظیر ہے فقط [illegible]
غلام کے علاوہ آپ [illegible] اور کتابیں [illegible]
صفحہ تو شیخ کا الزام ہے اور نوبی [illegible] علاوہ [illegible]
مطربندی کے لحاظ پر چار قسم کی عبارتیں عربی و فارسی کی ہیں [illegible] قسم کی پڑھی جاتی

تاریخ ۔ غلام محمد مبارک [illegible] جو آں بتمام [illegible] بیش از غلام محمد امام

مدینۃ الامام الخطباء اس میں مقامات حریری کے مقابلہ میں بے نقط خطبے لکھے ہیں فن طبابت میں بھی آپ کو دخل تھا چنانچہ دو کتابیں آپ کی علم حکمت میں بھی یادگار ہیں۔ جامع احوال فارسی کتاب زبدۃ الفرج فی معالجات ضعف الباہ عربی اور فارسی میں آپ شعر بھی کہتے تھے مخلص تارک تھا ایک دیوان آپ کی یادگار ہے موسوم بہ بحر الاحزان جس میں فارسی اور عربی کے اشعار بطور پند و نصائح درج ہیں۔ اپنی تصنیف تحفہ برادران میں آپ نے اساتذہ علم حدیث و فقہ کا ذکر کیا ہے اس کتاب میں آپ نے اپنی زندگی، تعلیم، تصانیف اور اساتذوں اور دیگر اہل علم حضرات کے حالات درج کئے ہیں سید اسحاق حضرت میراں بادشاہ کی شان میں جن کا مزار مسجد وزیر خان کے اندر حوض کے پاس ہے آپ نے عربی اور فارسی میں اکثر اشعار تصنیف کئے ہیں از انجملہ چند ایک حسب ذیل ہیں۔ (عربی)

مزارک ساطعۃ ضاع المناء البیضا — اذا ماذانہ مدۃ ارتقبل الباب الفضاء
تنیر فی القبور لہ عوام الناس اسحاق — مسحی الاسم بتریاق لسم الحیۃ الرقطاء

(فارسی)

بیا اے مومن متقی بہ بیت النور اندر شو — طہارت ساز از خون دل و یا قوت اندر شو
چو رو آری بہ محراب عبادت یاد کن محشر — گدازی از ریاضت نفس را مضمحل زر شو
ز لعنہ چون بود اگری بہ امر حضرت رحماں — یکاں بار از مزار سید اسحاق انور شو
خصوصاً فاتحہ از قبر چنیں کامل شود تارک — فدائے آل و اصحاب رسول اللہ اکبر شو

سید چراغ علیشاہ چشتی سبزواری

قاضی غلام محمد قاضی امور عہد عالمگیری کی اولاد سے تھے نہایت عالم فاضل اور اپنے عہد کے بڑے علماء حکمت میں بھی مہارت کامل رکھتے تھے ان کے مکان پر طلباء کا ہجوم رہتا تھا۔ دینیات بھی پڑھاتے تھے اور طبابت بھی۔ نہایت خوش شکل جوان تھے اکثر وضیع و شریف طالبات نے آپ کے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔ آپ مولوی نور احمد صاحب چشتی مصنف تحقیقات چشتی کے زمانہ تک سبزواری میں زندہ تھے چنانچہ انہوں نے اپنی تصنیف تحقیقات چشتی میں جو ۱۲۹۷ھ کے بعد شروع کی گئی اور ۱۳۰۰ھ میں جا کر چھپی ہے لکھتے ہیں۔ چونکہ کچھ عرصہ سے شب و روز درد

وظائف اور تجرید کی طرف طبیعت زیادہ رجوع ہے اس لیے بارہ تیرہ سال سے آپ نے درس چھوڑ دیا ہے اسی کتاب میں آپ نے تین صاحبزادوں کا بھی آپ نے ذکر کیا ہے ایک سید حاکم علی شاہ دوسرے سید بہادر علی شاہ جن کے متعلق لکھا ہے کہ وہ علم ہیات اور نظم و نثر فارسی عربی میں طاق ہیں تیسرے سید نادر علی شاہ سید چراغ شاہ کا تکیہ اور باغیچہ گورستان میانی میں واقعہ ہے۔

مولوی غلام فرید عالم اجل اور فاضل اکمل تھے۔ تمام عمر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ تجرید و تفرید آپ کی طبیعت پر غالب تھی۔ عابد زاہد اور اتقی تھے ۱۲۱۶ھ میں وفات پائی۔

میاں ذکریا لاہوری شیخ الاسلام مفتی قوام الدین محدث کاشمیری سے جو فقیہ جید اور محدث کامل تھے اور علماء کے علاوہ آپ سے بھی استفادہ کیا تھا ۱۱۷۵ھ میں بعہد حکومت درانیہ آپ کے درس کا پتہ چلتا ہے مفتی قوام الدین نے ۹ ذی قعدہ ۱۲۱۹ھ کو کشمیر میں انتقال کیا۔ مفتی شریف الدین آپ کی یادگار ہیں۔

مولوی غلام رسول مولوی غلام فرید فاضل لاہوری کے بیٹے تھے۔ عالم کبیر فاضل باتقویٰ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ خدا نے آپ کی ذات بابرکات کو دریائے فیض اور چشمہ فضل پیدا کیا تھا صدہا آدمی آپ کے وسیلہ سے مرتبہ فضیلت کو پہنچے ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔

مولوی جان محمد لاہوری ۱۱۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ حادثے فروع و اصول واعظ متقی۔ عالم باعمل۔ تدریس و تصنیف کا بڑا شوق تھا وعظ میں خاص تاثیر تھی بڑے بڑے پاپی گنہگار آتے اور توبہ کرتے اور ہزاروں بے نماز نمازی ہو جاتے تھے پنجاب کے اکثر اضلاع میں آپ کے کثیر التعداد تلامذہ تھے آپ [illegible] ۱۲۷۰ھ میں وفات پا گئے [illegible] ایمان داد تھے [illegible] لاہور میں آپ کا درس ہوتا تھا تاریخ لاہور میں کھا ہے محرم [illegible] مولانا [illegible]

ملہ بہادر رنجیت سنگھ نے اسکی امداد کی وہ اس سے خوش ہو کر ایمان لایا اور خطاب [illegible] دیا تھا

مولوی غلام اللہ مولوی غلام فرید کے بیٹے اور مولوی غلام رسول کے بھائی تھے آپ کی ذات مظہر کمالات دینی و دنیوی تھی۔ تدریس و تعلیم میں علمائے متقدمین کا نمونہ تھے۔ علوم فقہ و حدیث۔ تفسیر۔ صرف نحو۔ اور منطق و معانی میں آپ نے ہزارہا تشنگان علم کی پیاس بجھائی۔ ۱۲۷۲ھ میں وفات پائی۔ مرجع الفضلا تاریخ وفات ہے

مولوی محمد حیات لاہوری عالم فاضل تھے۔ جوانی میں مراد آباد چلے گئے اور وہیں درس گاہ جاری کر دیا۔ لاہوری پنجابی کے نام سے مشہور تھے۔ قاضی مفتی سعد اللہ مراد آبادی (پیدائش ۱۲۱۹ھ وفات ۱۲۹۳ھ) جو شیخ فاضل اور منقول و معقول کے پتلے تھے کتب درسیہ علاوہ مولانا صدر الدین صدر الصدور دہلی کے آپ سے بھی پڑھتے رہے ہیں۔

مولوی حافظ اولی اللہ عالم فاضل فقیہہ۔ متبحر مباحث۔ مناظر۔ واعظ۔ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ۔ تردید عقاید نصاریٰ میں بڑے بڑے پادری آپ کے مقابلہ سے چکراتے تھے۔ حافظ آپ کا مشہور نام تھا۔ کتاب کی سطر صفحہ تک یاد رکھتے تھے۔ مولوی غلام رسول مرحوم قلعہ میہاں سنگھ۔ مولوی نور احمد ساکن کھائی کوٹلی اور مولوی احمد الدین بگوی سے آپ نے علوم حاصل کئے۔ ہر جمعہ کو جامع مسجد لاہور میں آپ کا وعظ ہوتا تھا۔ صاحب فتاوے تھے۔ مولوی فقیر محمد جہلمی مرحوم مصنف حدایق الحنفیہ و ایڈیٹر اچ اخبار جہلم فن مناظرہ میں آپ کے شاگرد تھے ۱۲۸۴ھ میں پادری عمادالدین سے بمقام امرتسر آپ کا ایک تحریری مباحثہ ہوا۔ مباحثہ دینی میں آپ نے کئی کتابیں بھی لکھی ہیں ۔ روز جمعہ ۴ جمادی الاول ۱۳۰۲ھ کو آپ نے لاہور میں انتقال کیا۔ تاریخ لاہور میں لکھا ہے کہ حافظ اولی اللہ [illegible] لاہور کا نامور عالم تھا

مولوی غلام محمد بگھیانوالے لاہور میں یہ خاندان نہایت نامور اور باعزت گذرا ہے سکھوں کے عہد حکومت میں ان کا درس دور دور تک مشہور تھا۔ آج ۱۳۰۰ھ سے پچاس ساٹھ سال پیشتر مولوی غلام محمد بگھیانہ نے بادشاہی مسجد کے پاس پڑھتے اور فقہ و حدیث۔ اصول و معانی کا درس بھی دیتے تھے ان کے درسگاہ میں پنجاب

کے دور دور علاقوں سے تشنگان علم آتے تھے۔ اور سیراب ہو کر جاتے تھے۔ مولوی صاحب بگہ۔ بھیرہ ضلع شاہ پور کے رہنے والے تھے آخر عمر میں اپنے وطن ہی میں انتقال کیا مولوی محمد ذاکر مرحوم جو اسلامیہ ہائی سکول لاہور میں مدرس اور بڑے زاہد و پرہیز گار تھے۔ انہی کے داماد تھے

شیخ عبداللہ بلوچ احمد شاہ ابدالی کے پوتے زمان شاہ اور سکھ حاکمان لاہور (قبل از ۱۸۴۹ء) کے زمانہ میں یہ بزرگ موضع مزنگ نزیل لاہور کے نامور عالموں میں تھے لاہور کے علماء فضلاء اور اکثر طالبان علم لاہور سے چل کر ان کے پاس تحصیل علم کے لئے آتے تھے۔ مفتی شیخ فیض بخش اس زمانہ کا ایک نامور عالم آپ کی خدمت میں ارادتمندانہ طور سے آتا تھا۔ حافظ غلام محمد عرف امام گاموں امام مسجد وزیر خاں آپ کے مریدوں میں تھا مزنگ کا محلہ کوٹ عبداللہ شاہ آپ ہی نے آباد کیا تھا۔ پنجابی زبان کے نہایت اعلےٰ شاعر تھے ۱۲۷۱ھ میں انتقال کیا۔ ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء میں سردار خاں جوج نمبردار مزنگ نے آپ کا مقبرہ بنوایا۔ ایک بہت بڑی مسجد کی بھی اس نے ساتھ ہی بنا رکھی تھی اور مینار بنانے کا بھی ارادہ تھا مگر موت نے مہلت نہ دی شیخ عبداللہ کا مزار مزنگ کے شمال مغربی گوشہ میں اینٹوں کی ایک چار دیواری کے اندر واقع ہے۔

ملا مہدی خطائی علماء شیعہ مہاراجہ رنجیت سنگھ مذہب امامیہ کے نامور عالم تھے۔ ملا محمد مقیم تلمیذ شیخ خرعاملی کے شاگردوں میں تھے ارسطو جاہ نواب سید رجب علی جگر الوری ملا مہدی کے درس میں ۱۸۱۹ء میں شامل ہوئے ہیں جب کہ وہ اپنے حالات (مندرجہ تحقیقات چشتی) میں لکھتے ہیں کہ ۱۸۰۳ء میں میری پیدائش ہوئی اور بارہ سال کی عمر میں میں لاہور آیا اور تحصیل علوم کے لئے ملا مہدی خطائی کی درسگاہ میں داخل ہوا جو اس وقت علماء شیعہ کا ایک جید عالم و فاضل تھے علوم متداولہ سے علاوہ صرف نحو پر ملا مہدی کو بہت عبور تھا

سائیں سید قطب شاہ حضرت مخدوم جہانیاں کی اولاد سے تھے۔ وطن اوچ شریف ۱۲۱۴ھ میں (یعنی آج ۱۳۳۲ھ سے ایک سو چھ سال

پیشتر وہیں پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر تک آپ عربی فارسی کے علوم درسیہ سے فارغ ہو چکے تھے بعد ازاں اپنے مطالعہ سے ان علوم میں کافی مہارت پیدا کی۔ حضرت خواجہ خاکسار چاچڑاں والے سے بیعت کی۔ خواجہ سلیمان سنگھڑ والے کے پیر بھائی تھے۔ بعہد مہاراجہ شیر سنگھ ۲۰ جنوری ۱۸۴۳ء تا یکم فروری ۱۸۴۳ء لاہور آئے۔ رات مسجد وزیر خاں میں رہ کر صبح حضرت میاں میر گئے۔ وہاں حضرت احمد یار شاہ قادری کی تعریف سنی جو کوٹ مچھیر ضلع گوجرانوالہ کے ایک مرد کامل تھے وہاں جا کر بیعت کی اور فیض یاب ہو کے لاہور میں واپس آئے پر نواب شیخ امام الدین مرحوم نے متصل چوبارہ چھجو بھگت ایک مکان اور کنواں بنوا دیا۔ مولوی نور احمد مصنف تحقیقات چشتی ان کے متعلق لکھتے ہیں عجب طبیعت کا مرد ہے۔ ہر وقت قال اللہ قال الرسول کا ذکر ہے کلام عارفانہ و فاضلانہ ہے اور با اثر اور جاذبہ والی ہے مگر حیرت ہے کہ یہ مولوی علم شریعت کا ماہر ہو کر بھنگ اور چرس اور مسکرات کا عادی ہے آمد کا کوئی ذریعہ نہیں مگر خرچ امیرانہ ہے مولوی نور احمد سے آپ سنہ ۱۸۴۳ء سے پیشتر بعہد مہاراجہ جنداں و مہاراجہ دلیپ سنگھ ملاقات کی نفی لکھتے ہیں علم مجلس علم دین اور علم تسخیر میں صاحب کمال ہیں ایک مرتبہ ریح کو بھی گنگا اشنان میں ۲ ماہ رہ کر واپس آ گئے۔

خلیفہ غلام رسول غلام الدین

یہ دونوں بزرگ بعہد مہاراجہ رنجیت سنگھ نہایت ناموری سے عالم گزرے ہیں۔ موران طوائف نے جس پر مہاراجہ کی کمال مہربانی تھی بلکہ روپیہ پیسہ پر بھی اس کی ضرب لگتی تھی۔ شاہ عالمی دروازہ کے اندر سنہ ۱۲۱۲ھ میں ایک مسجد بنائی تھی چنانچہ بطور تاریخ تعمیر مسجد کا جو مسجد کے بیرونی دروازہ پر لکھا ہوا ہے حسب ذیل ہے ؎

بفضل ایزد و آرائے افلاک — چو موران مسجدے آراست بر خاک
بتاریخ بنائش ہاتفے گفت — شود قبلہ لہ مسجد پاک

یہ مسجد بہت بڑی ہے اور [illegible] اپنے اندر دو دالانیں ہیں اور مسجد ہے جہاں طلباء اور دوسرے لوگ رہنے کی جگہ بھی ہے۔ ان دونوں خلیفہ غلام رسول اور غلام الدین دونوں بھائی اپنے علم و فضل کے لحاظ سے پنجاب میں استاد کل کے نام سے پکارے

پڑتے تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مسجد کی امامت اور درس گاہ سب ان کے سپرد کی
اور گو کسی تاریخ میں اسکا ذکر نہیں ہے لیکن قیاس چاہتا ہے کہ سالانہ وظیفہ یا کوئی
جاگیر اور رقم بھی ان کے لیے ضرور مقرر کی ہوگی۔ اس زمانہ میں دونوں بھائیوں کی وجہ
سے تمام پنجاب میں اس مسجد یہ مدرسہ کی شہرت ہوگئی۔ علم فارسی عربی۔ صرف نحو منطق
معانی، حدیث تفسیر کی تعلیم ہوتی تھی اور ہندو مسلمان یکساں شوق سے اسی مسجد
اور مدرسہ میں عربی فارسی کی تعلیم حاصل کرتے تھے تمام لوگ کیا ہندو کیا مسلمان اور کیا
سکھ سب خلیفہ صاحبان کا ادب کرتے تھے۔ خود مہاراجہ رنجیت سنگھ جب خلیفہ غلام محمد کو
بلاتے تو تعظیم دیتے اور بجائے فرش کے کرسی پر بٹھاتے تھے خلیفہ جمال الدین انہی خلیفہ
صاحب کے صاحبزادے تھے جو فاضل اجل اور عالم متبحر تھے اور جو انجمن حمایت اسلام لاہور
کے بانیوں میں سے تھے خان بہادر خلیفہ عماد الدین خلیفہ حمید الدین کے بیٹے تھے جو ۱۱ اگست ۱۹۱۶ء
کو وفات پا چکے۔ اب ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی بیرسٹر ایٹ لا
اس نامور خاندان کے ایک روشن ستارے ہیں۔

نواب سرافراز خاں ... نواب مظفر خاں والیٔ ملتان کے بیٹے تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ
نے پنجاب کی اس اسلامی حکومت پر پے در پے حملے کئے
اور سرحیلے میں لاکھوں روپے سالانہ لیتا رہا۔ لیکن دل ہی دل میں چونکہ اس حکومت کو مٹانا
چاہتا تھا اس لئے بار بار کسی نہ کسی بہانہ سے حملے کرتا رہتا تھا۔ نواب مظفر خاں نے
مقابلہ کیا مردانہ وار جان دینا مناسب سمجھا چنانچہ ۱۸۱۸ء میں مع پانچ فرزندوں کے میدان
جنگ میں شہید ہوگیا اس کا باقی تیسرا بیٹا سرافراز خاں ذوالفقار خاں اور
گیا اور ایک بیٹا بہادر پور چلا گیا۔ نواب سرافراز خاں شہزادہ ہی سے
علم و فضل میں بھی [illegible] شعر بھی کہتے تھے لاہور کے
اہل علم کو آپ سے بہت توقعات تھیں آپ کا انتقال ۱۸۴۲ء میں ہوا۔ آپ کی
اولاد میں [illegible] نواب عبد المجید
خاں بہادر ہوئے جو رئیس اور عالم تھے اور علوم عربی فارسی میں شہرت رکھتے تھے

نواب سرفراز خاں کے شہید بھائی نواب شاہ نواز خاں کے بیٹے تھے۔ ۲۰ فروری ۱۹۰۲ء کو انتقال کر گئے

مولوی احمد بخش یکدل چشتی سکھوں کے عہد میں لاہور کے نامی لوگوں میں تھے۔ درس تدریس کا سلسلہ ورثہ سے چلا آتا تھا اس لیے اکثر لوگ ان سے فیضیاب ہوئے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کچھ جاگیر بھی دی تھی اور کچھ نقد پنشن بھی۔ سلطنت انگلشیہ کے استحکام (۱۸۴۹ء) پر یہ جاگیر و پنشن جو نسلاً بعد نسلاً تھی صرف ان کے بڑے لڑکے مولوی نور احمد کی حیات تک رہ گئی۔ ۱۸۵۷ء میں مولوی احمد بخش یکدل معہ اپنے فرزند اکبر مولوی نور احمد کے دہلی گئے اور ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ خاتم السلاطین مغلیہ کے دربار میں باریابی کا شرف حاصل کیا۔ مولوی احمد بخش اردو اور فارسی کے شاعر تھے یکدل تخلص تھا بادشاہ بھی شاعر تھا اور شعرا اور اہل علم کا قدر دان۔ مولوی صاحب اور ان کے فرزند کو خلعت عطا کیا۔ اور مولوی صاحب کو فخر الشعرا کا خطاب عطا کرنے کے علاوہ حسب ذیل مہر کندہ کرا کر عطا کی "فضیلت پناہ یکدل آگاہ فخر الشعرا مولوی احمد بخش یکدل غفرلہ چشتی بہادر شاہ بادشاہ غازی"۔ راقم الحروف نے مولوی احمد بخش یکدل کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک غیر مطبوعہ ڈائری دیکھی ہے جس میں اکثر تاریخی وطبی اور دلچسپ و کارآمد باتیں درج ہیں۔ مولوی یکدل اپنے قابل فرزند مولوی نور احمد کے انتقال سے ناقابل برداشت صدمہ کی وجہ سے ۲ نومبر ۱۸۵۸ء کو انتقال کر گئے۔ مولوی یکدل کے بیٹے مولوی محمد علی پردل (تخلص) تھے۔ انکے تیسرے فرزند مولوی محرم علی صاحب چشتی بفضلہ تعالیٰ بقید حیات ہیں آپکو اپنے آباؤ اجداد کی طرح صوفیائے کرام سے پوری عقیدت ہے اور انکی خدمت اپنا فخر سمجھتے ہیں انگریزی فارسی اور اردو میں نہایت قابل ہیں اور تینوں زبانوں میں آپکی تحریر کا دنیا اہل قلم میں مانا جاتا ہے نثر و نظم پر آپکو پورا عبور ہے ہر مہینے آپ چشتی خواجہ غریب النواز اجمیر کرتے ہیں گیارہویں بھی دھوم دھام سے ہوتی ہے صحیح معنوں میں آپ اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلکر انکا نام روشن کر رہے ہیں علاوہ آپ وکالت کرتے ہیں ہیوٹا ئیلیٹ بار کے ممبر بھی ہیں آپکا شمار ہوتا ہے آپکے صاحبزادہ مولوی قائم علی چشتی نے گولڑہ شریف میں حضرت پیر سید مہر علیشاہ صاحب سے تصوف اور فقہ فاضل لاہور کی تحصیل کیا ہے

آپکے فرزند مولوی سید علی چشتی کا چند سال ہوئے انتقال ہو گیا ہے

مولانا حضرت محمد فاضل لاہوری

بزمانہ شاہجہان لاہور کے ممتاز علماء و فضلاء میں تھے ان کے زہد و اتقا کی وجہ سے بھی لوگ ان کے عقیدتمند تھے۔ مولانا شاہ شرف جن کا ذکر اسی کتاب میں پہلے ہو چکا ہے آپ کے نامور خلفا اور شاگردوں میں تھے۔ مولانا شاہ شرف کے مقبرہ کے پاس بقول صاحب تحقیقات چشتی ایک بہت بڑی مسجد تھی جو اب بسمار ہے اور جس کے کھنڈرات ہی باقی ہیں۔ اس مسجد میں مولانا محمد فاضل کا درس تھا اس درس گاہ سے لاہور اور گرد و نواح کے بیشمار لوگ عالم اجل ہو کر نکلے۔ تعلیم مفت تھی۔ مولانا سلطنت کی طرف سے مدد معاش حاصل کرتے تھے اور بے فکری سے لوگوں کو علمی فیض پہنچاتے تھے۔ بعض کتب میں مولانا محمد فاضل کو مولانا شاہ شرف کا والد بیان کیا گیا ہے۔ تحقیقات چشتی نے صفحہ ۵۹۰ پر خافقاہ شاہ جمال کے ایک مجاور کی زبانی شاہ شرف کو جمالہ کا نومسلم ظاہر کیا ہے جس نے اپنی بھاوجہ سے ناراض ہو کر فقیری اختیار کر لی تھی اور لاہور میں آکر حضرت محمد فاضل کے دست حق پرست پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ وفات مولانا محمد فاضل کی ۱۱۲۱ھ بعہد فرخ سیر بیان کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے وہ نہایت طویل العمر تھے۔ اسی کتاب میں صفحہ ۵۹۰ پر لکھا ہے مولانا علاوہ صاحب علم ہونے کے خوشنویسی و کتابت میں بھی صاحب کمال تھے۔ ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اکثر قطعات سعادت راقم (یعنی مولوی نور احمد چشتی مصنف تحقیقات چشتی) ۱۹۶۲ء میں لاہور کے عجائب گھر میں داخل ہوئے تھے۔

ملا فتح الدین لاہوری

معلوم نہیں یہ کون بزرگ تھے کب پیدا ہوئے کب انتقال فرمایا کہاں درس تھا کون کون خوش نصیب لوگ ان سے مستفیض ہوئے۔ ان کے ورثاء میں سے بھی کوئی ہے یا نہیں۔ اکمل التاریخ ملا لاہوری (جس میں اولیائے و علمائے بلاہوں کے حالات ہیں) کے مطالعہ سے صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی جن کو استاد مطلق بھی کہا جاتا ہے کے زمانہ میں ملا فتح الدین لاہور کے مدرسہ پنجاب بلکہ ہندوستان کے نامور علماء میں تھے اور مولانا فضل حق کے ممتاز و مخصوص شاگردوں میں سے تھے۔ چنانچہ صاحب اکمل التاریخ مولانا فضل حق کے نامور شاگردوں میں ملا فتح الدین لاہوری کا ذکر کر کے لکھتے ہیں "ہندوستان میں ان حضرات میں سے ہر شخص بچوں کے لوگوں میں مسلم بالذات

ہے[1]۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کے سال پیدائش و وفات[2] پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ
ملا فتح الدین سکھوں کے آخری زمانہ اور سرکار انگریزی کے عہد اولیں میں لاہور میں زندہ تھے۔

مجتہد العصر مولانا سید ابو القاسم آقا سید حسین النقی الکاشمیری کے بیٹے تھے ۱۲۴۹ھ
میں بمقام فتح آباد پیدا ہوئے جبکہ ان کے دا
بسلسلہ تجارت کشمیر سے (بزمانہ واجد علیشاہ بادشاہ اودھ) لکھنؤ آ رہے تھے آپ نے فقہ
اصول۔ تفسیر و حدیث میں وہ نام پیدا کیا کہ مجتہد اعظم سلطان العلماء آقا سید محمد سے
فاضل ابو القاسم کا لقب حاصل کیا۔ نواب علی رضا خاں قزلباش رئیس لاہور کے زمانہ
میں آپ لاہور آئے۔ جہاں آپ کے علم و فضل کی وجہ سے بڑی قدر ہوئی یہیں
سے آپ حج بیت الحرام و زیارت کربلائے معلیٰ کے لئے روانہ ہوئے۔ عراق عرب
میں اکثر علمائے عصر سے آپ کے مباحثات علمیہ رہے جس سے وہاں فاضل ہندی
آپ کا نام مشہور ہو گیا۔ مشہد۔ شیراز۔ قم۔ کرمان۔ اصفہان کے علماء و مجتہدین
سے ملے۔ اجتہاد کی سند حاصل کی۔ واپسی پر لاہور آ کر جب آپ نے کشمیر
جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو نواب نوازش علی خاں اور نواب ناصر علی خاں نے
روک لیا اور ان کے تمام مصارف کے متکفل ہوئے۔ لاہور میں آپ نے
مذہب شیعہ کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ امامیہ جاری کیا اور امامیہ جامع
مسجد تیار کی۔ جو ۱۲۹۵ھ میں تیار ہوئی پچھتر سال کی عمر میں ۱۲ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ
کو انتقال کیا۔ عام مسلمانان لاہور نے اس دن بوجہ ماتم دکانیں بند کر دیں
اور مدارس اسلامیہ میں تعطیل ہو گئی۔ آپ نے مذہب امامیہ کے متعلق
کئی کتابیں (فارسی میں) لکھی ہیں جن میں تفسیر لوامع التنزیل سواطع التاویل
سب سے زیادہ مشہور ہے۔ جس کو اب آپ کے قابل جانشین مولانا سید
علی الحائری مجتہد العصر مکمل کر رہے ہیں۔ آپکے ایک اور صاحبزادہ ابو الفضل اسنوی بھی ہیں

---

[1] اکمل التاریخ حصہ دوم صفحہ ۸۹ [2] پیدائش ۱۲۱۲ھ وفات ۱۲۷۸ھ علماء ہند کی جلس کے سرتاج نظیر تھے
آپ کی تصانیف میں شرح سلم قاضی، رسالہ فتح المبین لمنکری الشمس، ہدیہ سعیدیہ وغیرہ معقول میں بہت مشہور ہیں

لاہور کی گذشتہ اہل علم خواتین

بی بی حلیمہ المشہور بہ بوبی تنوری

تحقیقات چشتی میں لکھا ہے حضرت مسعود قریشی کی صاحبزادی تھیں آپ حضرت بی بی صاحبہ پاکدامناں کی روٹیاں پکایا کرتی تھیں۔ اسلئے بوبی تنوری کے نام سے مشہور ہوگئیں ناں پر الف لام لگا کر بوبی تنوری صاحبہ کو اپنا پیشوا اور پیر سمجھتے ہیں اور ان کا نام لیکر کام پر بیٹھتے ہیں آپ بڑی فاضلہ تھیں اور پردہ میں بیٹھ کر لوگوں کو درس دیا کرتی تھیں

بی بی پاکدامناں

تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ یہ چھ بہنیں تھیں۔ ایک جناب مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی صاحبزادی بہ اسم رقیہ المشہور بی بی تاج باقی پانچ صاحبزادیاں (تاج۔ فور۔ گوہر۔ شہباز) حضرت عقیل برادر حضرت علیؓ کی صاحبزادیاں تھیں واقعہ کربلا کے بعد یہ بی بیاں ہندوستان آئیں اور لاہور میں آکر مقیم ہوگئیں جہاں اس زمانہ میں کسی ہندو راجہ کی حکومت تھی۔ سات سو چار آدمی ولی اللہ حافظ قرآن ان کے ہمراہ تھے۔ ان بی بیوں کے آنے سے راجہ کا آتش کدہ سرد ہوگیا۔ اس نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا عرب سے چند بیبیاں آئی ہیں جنکے قدموں کی برکت سے راجہ کا چیچک بیوں کو راجہ کے حکم سے لینے آیا انہوں نے انکار کیا۔ بی بی صاحبہ کلاں نے راجہ کے لڑکے کو نظر توجہ سے جو دیکھا بیہوش ہوکر گر پڑا۔ ہوش میں آیا تو مسلمان ہوگیا راجہ کو خبر ہوئی تو بہت متاثر ہوا۔ شہر میں ایک شور عظیم مچ گیا۔ بی بیاں خائف ہوئیں اور دعا مانگی بارالہا زمین کو حکم دے کہ پھٹ جائے تاکہ ہم سما جائیں اور بے پردگی و بے حرمتی سے نجات پائیں۔ ان کی دعا قبول ہوئی زمین پھٹ گئی اور وہ اس میں سما گئیں۔

مولوی غلام دستگیر صاحب نامی نے جو محلہ چلہ بی بیاں میں رہتے ہیں۔ تاریخی واقعات سے مطلع فرمایا کی تردید کی ہے چنانچہ راقم الحروف کے پاس آپ نے جو مضمون بھیجا ہے اس میں لکھا ہے کہ (۱) جو نام تحقیقات چشتی . . . . . وغیرہ کے مصنفوں نے حضرت عقیل کی بیٹیوں کے لکھے ہیں۔ ان میں سے کوئی نام آپ کی کسی زبان میں نہیں ہے اور آخری دو نام گوہر شہباز

تو اہل عرب کے ہیں ہی نہیں (۲) یہ بات بھی ناممکن سی ہے کہ ان بی بیوں کو سوائے لاہور کے جو اس زمانہ میں تمام نامسلموں سے آباد تھا اور کوئی جائے پناہ نظر نہ آئی (۳) بنی امیہ کو طوروں سے کچھ تعرض نہ تھا اور نہ وہ خاندان حضرت سید الشہداء کی ایذا رسانی کے درپے تھے (۴) ہندوستان میں آنے کی نسبت وہ مدینہ کی طرف بآسانی جا سکتی اور محفوظ رہ سکتی تھیں۔

پھر آخر کون تھیں؟ اس کے متعلق نامی صاحب لکھتے ہیں یہ بی بیاں حضرت سید احمد نوشہ ترمذی کی صاحبزادیاں تھیں جو چھٹی صدی ہجری کے آخری حصہ میں اپنے وطن سے کچھ کران آئے جہاں انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح شاہزادہ بہاء الدین (ولیعہد کرمان) سے کیا جن سے سلطان اقتار کیں شیخ حمید الدین حاکم قریشی ہاشمی پیدا ہوئے جنکا مزار مبارک ریاست بہاولپور میں واقعہ ہے وہ سری بی بی تاج آپ نے اپنے بھتیجے شاہ زید سے بیاہی اور باقی چار بیٹیاں (حور۔ نور۔ گوہر شہباز) غالباً لاہور میں پیدا ہوئیں۔ جہاں آپ کا انتقال ہوا اور جہاں آپ کا مزار بھی موجود ہے یہ بیبیاں بھی عابدہ و زاہدہ اور علم دین میں درجہ کمال رکھتی تھیں بسنہ ۶۱۴ھ تھی کہ چنگیز خانی لشکر جلال الدین یا جمال الدین خوارزمی کے تعاقب میں تاخت کرتا ہوا لاہور پہنچا اور اسے بھی تاراج کیا۔ بی بیوں نے خدا کی درگاہ میں التجا کی کہ ہمیں نامحرموں کی دستبرد سے محفوظ رکھیو۔ چنانچہ زمین نے انہیں اپنے اندر چھپا لیا۔

حضرت سید احمد نوشہ سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں فوت ہوئے۔ ان کا مشہور مزار محلہ چلہ بی بیاں میں جو ان کی بیٹیوں کے مقام چلہ کشی کی وجہ سے موسوم ہے۔ نامی صاحب کے مکان کے اندر ایک طرف واقعہ ہے۔ ان بیبیوں کے فیض صحبت سے بہت سی مسلمان عورتوں کو علم دین سیکھنے کا شوق ہوا۔

مزار ان کا قلعہ گوجر سنگھ کے متصل جانب شرق صدہا سال سے زیارت گاہ خلائق ہے اس احاطہ میں اٹاوہ لاہور اپنی اموات کو سپرد خاک کرنا باعث سعادت سمجھتے آئے ہیں۔ مگر اب عوام کے لئے یہاں ایک قسم کی بندش ہے۔ اور اس کی وجہ حفظان صحت بتائی جاتی ہے۔

---

(۱) سید احسن الدین سید سنھاجن کے نام پر لاہور میں بازار اور محلہ سید سنھا آباد ہے اس والد کا نام قطعہ بقول مصنف تاریخ لاہور رسالہ اور قبیلہ اصل جلال الدین خوارزمی کا ۶۱۷ھ میں انتقال ہو گیا۔

مخدومہ بیگم عہد شاہجہانی کے امیر کبیر نواب ابوالحسن خان بن آصف خاں کی بیگم تھی عربی فارسی کے بیشتر علوم پر حاوی تھی اور علم ادب میں خاص دلچسپی لیتی تھی سپہ خاص سے طبیعت شاعرانہ پائی تھی۔ خلاصۃ التواریخ (مصنفہ منشی سجان سنگھ بٹالوی) میں مخدومہ بیگم کے کمال علم کا حال درج ہے جو شاہجہان کے زمانہ میں لکھی گئی تھی۔ مخدومہ بیگم نے اپنے خاوند کی عالیشان قبر تعمیر کرائی جو شالامار باغ اور امرتسر ریلوے روڈ کے درمیان ہے۔ متصل مقبرہ نواب کی مردان خاں، مخدومہ بیگم نے نواب ابوالحسن خاں کے مرنے کے بعد ایک کارخانہ عبادت قائم جس کے منتظم اور نگران حضرت حامد قاری تھے۔ اسی کارخانہ کی طرف سے ایکہزار حفاظ نواب ابوالحسن خاں کی قبر پر ہر روز تلاوت قرآن کے لئے مقرر تھے اس مقبرہ کے ساتھ بے شمار حویلیں اور صدہا چاہات وقف تھے۔ محمد شاہ بادشاہ غازی کے زمانہ تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا سکھوں کی غارتگری اور سلطنت مغلیہ کی کمزوری کے ایام میں سب کارخانہ درہم برہم ہو گیا۔ بیگم ۱۱۷۲ھ میں انتقال کر گئی اور اپنے خاوند کے پہلو میں دفن کی گئی۔ اس مقبرہ کے گرد ایک عالیشان باغ بھی تھا جسکا بہت بڑا کنواں اب تک موجود ہے۔

موتی بیگم اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں یہ نہایت نامور عالمہ عورت لاہور میں گذری ہے نواب خلیل اللہ خاں گورنر لاہور کی لڑکی تھی۔ ملا عبدالحمید لاہوری مصنف شاہجہان نامہ نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے موتی بیگم صاحب علم و فضل تھی اس نے مرتے دم تک شادی نہیں کی جب وہ مر گئی تو اس کے باپ نواب خلیل اللہ خاں گورنر لاہور نے نہایت رنج و الم کیا۔ اور اپنی قابل اور لائق بیٹی کے بقائے نام کے لئے اس کی قبر پر ایک گنبد لگوایا۔ افسوس ہے اب اس قبر اور گنبد کا کوئی نشان نہیں ہے۔ بلکہ زمیندار لوگ وہاں زراعت کرتے ہیں یہ قبر ملتان ریلوے روڈ کی طرف تھی اور نہایت خوبصورت تھی۔ مقبرہ کا گنبد کل بنگلہ تھا اور یہ مقبرہ "مکان بنگلہ" کے نام سے موسوم تھا۔ مولوی صادق علی گجراتی جو نہایت مشہور عالم تھے اور جن کا مقبرہ بنام مکان بھورہ یا تہ خانہ متصل مکان نواب جعفر خاں داخلہ گڑھی شاہو ہے موتی بیگم کے استاد تھے۔

مراد بیگم نواب قمرالدین خاں وزیر محمد شاہ بادشاہ کی لڑکی اور نواب میر معین الملک گورنر لاہور کی بیگم تھی۔ ۱۷۵۳ء میں اپنے خاوند کے انتقال کے بعد اپنے خورد سال لڑکے امین الدین خاں کی سرپرست بن کر پنجاب پر حکمرانی کرنے لگی۔ علوم مروجہ سے کما حقہ واقف تھی بلکہ ان چالوں سے بھی آگاہ تھی جن سے بادشاہ تخت پر بٹھائے جاتے اور اتارے جاتے ہیں۔ نہایت معاملہ فہم زیرک اور علامۂ دہر تھی اس نے اپنے مدار المہام اور اپنے دربار کے امیر الامرا نواب میر سید بھکاری خاں بانی سنہری مسجد لاہور کو اپنے محل کے اندر مروا دیا۔ ۱۷۵۹ء تک لاہور میں اسکا خوب طوطی بولتا رہا ہے آخر قید کر کے دہلی بھجوائی گئی۔

شرف النساء بیگم نواب خان بہادر زکریا خاں صوبہ لاہور کی حقیقی بہن اور نواب عبد الصمد خاں ولیر جنگ کی بیٹی تھی عربی اور فارسی کے بہت سے علوم پر حاوی تھی سوائے کتب بینی و کتب خوانی کے اور کسی سے سروکار نہ تھا۔ قرآن شریف کی عاشق تھی۔ اس نے جیتے جی اپنا مقبرہ تیار کرایا جو بلند اور بے زینہ ایک گنبد کی صورت میں بنایا گیا تھا۔ نماز ظہر کے بعد ہر روز وہاں جائی سیڑھی لگا کر وہاں چڑھتی اور ایک گھنٹہ تک تلاوت قرآن کرتی اور پھر واپس محلات میں آجاتی۔ عالمہ فاضلہ ہونے کے علاوہ جوہر سپاہیانہ بھی رکھتی تھی جب تک زندہ رہی قرآن کے ساتھ تلوار کی بھی عاشق رہی۔ ہمیشہ شمشیر برہنہ کمر میں رکھتی مرتے وقت وصیت کی کہ میری قبر اسی گنبد میں ہو اور بالائے قبر قرآن شریف اور میری تلوار جنہوں نے زندگی بھر میرا ساتھ دیا ہے مرنے کے بعد بھی میرے محافظ رہیں۔ مگر افسوس ہے ناخلف سکھوں نے اپنے ہوائی دور دورہ میں وہ دونوں چیزیں محض تعصب کی وجہ سے وہاں سے نکال لیں۔ شرف النساء بیگم کا مقبرہ سرو والے مقبرہ کے نام سے مشہور ہے اور شالامار باغ کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر گلابی باغ اور مقبرہ حضرت ایشاں کے پاس واقعہ ہے۔

نادرہ بیگم شہزادہ دارا شکوہ کی ہمشیرہ اور شہنشاہ شاہ جہاں کی لڑکی تھی۔ پنجاب چونکہ دارا شکوہ کی جاگیر میں تھا اس لیئے وہ اکثر لاہور ہی میں رہتا تھا اس کے محلات اس جگہ تھے جہاں سرائے میاں سلطان اور چاہ میاں سلطان اور چنگڑ محلہ واقعہ لڑکا بازار واقع ہے۔ اسی جگہ چوک دارا شکوہ بھی تھا۔ دارا شکوہ ہر روز حضرت میاں میر اور اپنے پیر حضرت

بادشاہ کی خدمت میں جاتا تھا۔ اس کی ہمشیرہ عزیزہ بھی دل و جان سے حضرت کی معتقد تھی۔ نو سال کی عمر تک وہ قرآن شریف کے علاوہ اور مذہبی کتب بھی پڑھ چکی تھی۔ گیارہ برس کی عمر میں اس کے علم و فضل کا یہاں تک چرچا تھا کہ بہت کم عالموں کو اس کے مقابلہ کی جرأت ہوتی تھی۔ تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ نو سال کی عمر میں وہ حضرت میانمیر کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور تادم مرگ ہر روز نماز ظہر کا وضو حضرت کو اپنے ہاتھ سے کراتی رہی۔ جب وہ گیارہ بارہ سال کی ہو گئی اور اس نے علم ظاہری میں بھی بہت کچھ حاصل کر لیا اور وہ جوان بھی ہو گئی تو حضرت میانمیر نے ایکدن اس کو کہا۔ اے فرزند اب تو جوان ہو گئی ہے وضو کرانے نہ آیا کر۔ نادرہ بیگم یہ سن کر واپس چلی گئی۔ جب شام ہوئی تو خیال گذرا شاید مجھ سے کوئی قصور ہو گیا ہے کہ حضرت نے اس خدمت سے معزول و محروم فرما دیا ہے۔ جناب الٰہی میں دعا کی کہ ایسی ذلیل زندگی سے تو مرنا ہی بہتر ہے الٰہی مجھ کو پردہ پوش کر لے۔ خدا کی قدرت سے اسی رات کو شہزادی بیمار ہوئی اور دن نکلنے سے پیشتر انتقال بھی کر گئی۔ یہ واقعہ ۱۲ شوال ۱۰۴۳ھ کا ہے۔ داراشکوہ نے نہایت عالیشان مقبرہ شاہزادی کا تعمیر کرایا۔ مقبرہ بلند چبوترہ پر ایک بارہ دری کی شکل میں بنایا گیا۔ گرد اس کے ایک وسیع تالاب تھا جس کے چاروں کناروں پر چار بنگلے ہشت پہلو سنگ سرخ کے بنائے گئے اور شمالی و جنوبی سمت دو عالیشان کوٹھیاں تعمیر کرائی گئیں۔ تالاب کے چاروں طرف ایسی عراقیں تھیں جن پر گاڑیاں بہولت چل سکتی تھیں۔ تالاب کے ہر طرف ۳۶-۳۶ کوٹھڑیاں لوگوں کے رہنے اور مسافروں کے آرام کے لیے بنائی گئیں۔ مقبرہ کے مشرق کی سمت تالاب پر ایک پل بھی تھا۔ اس پل کے نیچے پانی کی روانی کے لیے ۱۳ محرابی دہن بنائے گئے۔ ایسے عالیشان مقبرہ کا اب تشریف ہے نہ تالاب کا نام و نشان بھی نہیں ہے دوران تحریر کتاب ہذا میں راقم الحروف خود اس مقبرہ پر گیا۔ تالاب میں اب زراعت ہوتی ہے پل کے محراب تو موجود ہیں مگر مٹی اور جھاڑیوں کی وجہ سے قریباً بند ہیں۔ ایک محراب جو بارہ دری کے متصل ہے ٹوٹا ہوا ہے۔ مصنف تحقیقات چشتی نے بھی ۱۸۷۶ء میں جس کو آج ۵۴ سال ہو چکے ہیں اس محراب کی شکستگی کا ذکر کیا ہے قبر بالکل کچی ہے۔ بارہ دری دو منزلہ ہے اور سیڑھیاں بالکل شکستہ ہیں بارہ دری

کے گرد چاروں طرف تا بہ سینہ سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔ لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایام حکومت میں کمال سنگدلی سے وہ سنگ مرمر اتار لیا گیا۔ تالاب کے گرد جو ڈیوڑھیاں اور بنگلے تھے ان میں سے اب ایک بھی موجود نہیں ہے۔ البتہ ایک جگہ تالاب کے ایک گوشہ پر دروازہ دگی حضرت میاں میر کے متصل ایک چبوترہ کے نشان سے موجود ہیں یہ بارہ دری روضہ کی چار دیواری کے باہر مشرق کی طرف واقع ہے۔

نور جہاں بیگم[1] اسکا نام شہرہ آفاق ہے۔ اپنے ماں باپ کے نکبت و ادبار کے دنوں میں عالم مسافرت ایک جنگل میں پیدا ہوئی۔ اور آخر جہانگیر کی شہنشاہ بیگم ہو کر ملکہ ہند بنی۔ مرزا غیاث باپ کا نام تھا۔ آصف جاہ جو آخر میں شہنشاہ شاہ جہاں کا وزیر بنا بھائی تھا اصلی نام مہر النساء تھا۔ پہلے علی قلی خاں عرف شیر افگن خاں ایک نوجوان ایرانی کے عقد نکاح میں آئی جب جہانگیر بادشاہ ہوا تو شیر افگن خاں کے قتل ہونے کے بعد جہانگیر کے محلات میں داخل ہوئی۔ پہلے نور محل بنی پھر نور جہاں بن کر سارے عالم میں روشن ہوئی۔ ہمیں یہاں جہانگیر اور نور جہاں کے عشق و محبت کا فسانہ لکھنا منظور نہیں ہے اس لیے ہم صرف مختصر طور پر اس کی علمی اور دیگر قابلیتوں کا ذکر کرتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ اس کے دم قدم سے لاہور میں علم و اہل علم کا کسقدر چرچا رہا ہے۔

نور جہاں نے شہزادیوں کے ساتھ قرآن شریف پڑھا۔ پھر فارسی کی معمولی کتابیں تھوڑے ہی عرصہ میں عربی اور فارسی میں وہ کمال حاصل کیا کہ نہ صرف اس کے بے مثال حسن بلکہ اس کی ذہانت نے بھی تمام شہزادیوں کے نور بے نور کر دیئے۔ نور جہاں کی ماں جو بڑی عالمہ فاضلہ تھی جہانگیر نے اپنی توزک میں اس کے کمال کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔ عقل گلاب جہانگیری والدہ نور جہاں بیگم کی ایجاد ہے۔ شہزادیوں کی ہم نشینی۔ ذاتی ذکاوت ذہانت۔ موجودہ دعا دیاں کی تربیت۔ ان سب باتوں نے نور جہاں کو چھوٹی سی عمر ہی میں ہر فن مولا بنا دیا۔ وہ مصوری و نقاشی بھی جانتی تھی۔ قلعہ میں شہزادیوں کے ساتھ اس نے فن سپاہ گری بھی سیکھ لیا تھا اور جہانگیر کے ہمراہ اس نے اکثر شکار بھی کیا ہے

[1] نور جہاں کے مفصل حالات کیلئے راقم الحروف کی کتاب حیات نور جہاں و جہانگیر ملاحظہ فرمایئے۔

اور جہانگیر نے اپنی توزک میں اس کے نشانہ کی تعریف بھی کی ہے۔ گھوڑے کی سواری میں بڑی مشاق تھی عربی اور فارسی خط اس کا بہت اچھا تھا کپڑے پر کشیدہ بہت اچھا کاڑھتی تھی۔ علم موسیقی سے بھی واقف تھی اور اس کی آواز سے لطافت و کشش نے اس میں ایک خاص جادو پیدا کر دیا تھا۔ مذہباً شیعہ تھی لیکن اس کے علمی دربار اور اس کے درباری شعرا میں مذہب کی کوئی تخصیص نہ تھی بلکہ اہل کمال ہونا لازمی تھا۔ جہانگیر ۱۶۰۵ء میں بعمر ۳۷ سال تخت نشین ہوا۔ چھٹے سال جلوس ۱۶۱۱ء میں اس نے مہرالنسا بیگم کو نورمحل اور نورمحل سے نورجہاں بنا دیا۔ ۱۶۲۷ء میں کشمیر سے واپسی پر جبکہ نورجہاں بھی ہمراہ تھی بعمر ساٹھ سال جہانگیر راستے ہی میں انتقال ہو گیا لاش جب لاہور پہنچی تو جہانگیر نورجہاں کے باغ میں سپرد خاک کیا گیا۔ جہانگیر کی زندگی میں نورجہاں کی ساری عمر سفر و حضر میں کشمیر۔ لاہور، دہلی۔ آگرہ وغیرہ مقامات میں جہانگیر کے ساتھ گزری ہے مگر اس کے مرنے کے بعد اس نے لاہور کو اپنا وطن بنا لیا۔ اور خاوند کے مرنے کے بعد بارہ سال تک لاہور میں زندہ رہی۔

شاہجہان نے بادشاہ ہو کر نورجہاں کا ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا اور ملکی معاملات سے جن میں ان کا بہت دخل تھا قطعی بے تعلق کر دیا۔ نورجہاں کی حاضر جوابی شاہجہان کے اکثر واقعات مشہور ہیں وہ خود بھی شاعر تھی اور فی البدیہہ شعر بھی کہتی تھی اور شاعروں اور شاعروں کی بڑی قدردان تھی مرزا صیدی۔ سلیم شاعر۔ طالب آملی وغیرہ اکثر شعرائے جہانگیری کی طرح نورجہاں کے دربار سے ہزار ہا روپے بطور انعام حاصل کیے۔ لاہور میں جس قدر علما و فضلا اور صاحب کمال شعرا تھے۔ نورجہاں کی فیاضی و دوستی سے مستفیض ہو رہے تھے بلکہ اس زمانہ میں اور مقامات سے بھی اکثر اہل نورجہاں کی علم پروری کی وجہ سے لاہور آ گئے تھے اور لاہور ان دنوں علما و فضلا کا ایک مرکز ہو گیا تھا۔ ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم علما و فضلا کی قدردانیوں پر خرچ ہو جاتی تھی یا بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کرانے اور غربا کی دستگیری پر ۱۶۴۶ء میں نورجہاں نے لاہور ہی میں انتقال کیا اور اپنے خاوند کے پہلو میں دفن ہوئی۔ اپنی قبر اس نے اپنی زندگی ہی میں بنوائی تھی۔ ملکۂ ہند کی اس آخری آرام گاہ کے ساتھ بھی

اس باغ پیچھے مہدی علی خان کا باغ کہلاتا ہے۔

سکھوں نے وہی سلوک کیا جو اپنے دوران حکومت میں انہوں نے دیگر اسلامی عمارات کے ساتھ کیا تھا ۱۹۰۲ء تک انگریزوں کے عہد میں بھی یہ قبر خراب خستہ حالت میں تھی اسی زمانہ میں مولانا مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شیروانی حسرت رئیس بھیکم پور ضلع علی گڈھ حال معین المہام امور مذہبی دولت آصفیہ حیدر آباد دکن انجمن حمایت اسلام کے جلسہ پر تشریف لائے۔ انہوں نے نورجہاں کے مقبرہ کی جو حالت دیکھی اور جو اثر ان کے چوٹ کھائے ہوئے دل پر ہوا۔ اسکا کچھ اظہار انہوں نے اپنی ایک نظم بعنوان تصویر عبرت میں کیا۔ جس کے چند شعر ذیل میں درج ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ ہندوستان کی اس عظیم الشان ملکہ جسکا نام ملک کے مروجہ سکہ تک میں بھی درج تھا کی آخری منزل کا کیا حال ہے؟

ظالموں نے قبر کا تعویذ تک چھوڑا نہیں — کونسا گوشہ ہے یاں تربت کا جو توڑا نہیں
قصر میں جلتی تھیں جسکی شمعہائے عنبریں — حیف اوشن اک دیا بھی قبر پر اسکی نہیں
نام روشن ہے جہاں میں آہ جسکا سر بسر — نام کو بھی روشنی آتے نہ اسکی قبر پر
جسنے حاصل بالخلافت تو دیا باطل دیدیئے — حیف تجھ سے اسکی تربت ایک چادر کیلئے
لونڈیوں پر جسکی تھی پوشاک کمخاز بفت کی — آج دیواریں ہیں اسکے اوضہ کی ننگی کھڑی

راقم الحروف نے اس مقبرہ پر ہر قسم کے مویشیوں کو پھرتے دیکھا ہے دیہاتی لوگ یہاں آکر قیام کرتے اور اپنے مال مویشی چراتے تھے۔ مقبرہ کی حالت قابل عبرت تھی۔ قبر کا تعویذ اس بے دردی سے اکھاڑا گیا تھا کہ معلوم بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ قبر کس کی ہے۔ بھلا ہو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا جنہوں نے وطن پرستی کے جذبات سے متاثر ہوکر اس قبر کی مرمت کرادی اور ۱۸۳۱ء میں گورنر جنرل پنجاب سے کچھ روپیہ دلایا۔ چنانچہ اب مقبرہ کی حالت پہلے سے بہتر ہے اور وہ آثار جو باقی تھے اگر آئندہ اور زیادہ تباہ ہونے سے بچ گئے ہیں۔ عادی الملک بہادر حکیم محمد اجمل خاں رئیس دہلی نے سنگ مرمر کا ایک کتبہ بھی لگا دیا ہے جس سے کم از کم اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبر نورجہاں ملکہ ہند کی ہے ایک قبر اور بھی ساتھ ہی ہے جو نورجہاں کی بیٹی کی بیان کیا جاتا ہے۔

لاہور سے نورجہاں کو کمال محبت تھی جب کبھی جہانگیر کے ساتھ وہ لاہور آئی ہے
نے یہاں بخوشی قیام کیا ہے اس نے ایک وسیع اور عالیشان باغ بھی تیار کیا جہاں
گیر دفن ہے اس نے غالباً مکانات بھی بنوائے ہونگے کیونکہ وہ بارہ سال تک مسلسل
یں ہی رہیں اب انکے کچھ آثار معلوم نہیں ہوتے لاہور کے متعلق نورجہاں کا ایک شعر مشہور ہے ؎

لاہور را بجان برابر خریدہ ایم　　جاں دادہ ایم جنت دیگر خریدہ ایم

زیب النساء بیگم مخفی عالمگیر شہنشاہ ہند کی بیٹی تھی شوال ۱۰۴۸ھ میں پیدا ہوئی پانچویں برس قرآن شریف شروع کیا۔ اور سات آٹھ سال کی عمر تھی کہ قرآن بھی ہوگئی۔ اس تقریب پر ملازمین کو انعامات اور خلعت دیئے گئے اور حافظ مریم شہزادی تی) کو تیس ہزار اشرفیاں عطا ہوئیں۔ ملا سعید اشرف مازندرانی کی تعلیم و تربیت ب النسا بیگم نے فارسی و عربی کتب کے علاوہ علم فقہ و حدیث اور علم ہیت وغیرہ م حاصل کئے۔ شہزادی اجرام فلکی کی ماہیت و تشریح پر ایسی مدلل گفتگو کرتی تھی کہ ے دنگ رہ جاتے تھے۔ ملا اشرف خود شاعر تھا اور زیب النسا کو فطرتاً شاعری سے ی اس لئے اس نے شاعری میں سب سے زیادہ نام پیدا کیا۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے ں نے لکھی وہ عربی زبان کا ایک قصیدہ تھا جو حمد خدا میں لکھا گیا تھا۔

۱۰۶۸ھ میں اورنگ زیب نے اپنے بیٹے شہزادہ اکبر کو راجپوتوں کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا ہ کو راجپوتوں نے باپ سے منحرف کرالیا مگر شہزادی نے اپنے بھائی سے خیر خیریت کی بت برابر جاری رکھی یہ بات عالمگیر کو ناگوار گذری۔ عتاب شاہی بیگم پر نازل ہوا کھ روپیہ سالانہ کا جو وظیفہ ملتا تھا وہ بند ہوگیا اور شہزادی کو قلعہ سلیم گڈھ میں دیا گیا جہاں وہ ایک سال تک رہی۔ شہزادی حضرت میاں میرؒ کی مرید تھی اور نہایت ت اور علم پرور تھی اس نے بڑے بڑے علماء و فضلا کو جمع کر کے صیغہ تصنیف و حول رکھا تھا لاہور یا دہلی جہاں ہوتی علماء و فضلا کا مجمع اس کے ساتھ رہتا ر کا فارسی ترجمہ اس کے عہد میں ہوا۔ زیب المنشات کتاب خوشنویسی کی تصنیف سے بتائی جاتی ہے اس کا ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جو [illegible]

اسکا دیوان مخفی کے نام سے فارسی میں موجود ہے جو ہر جگہ مل سکتا ہے۔ اور جس کے متعلق
مصنفین و مورخین میں اختلاف ہے۔ ناصر علی سرہندی۔ مرزا محمد علی صائب۔ علا طاہر
کاشمیری۔ عاقل خاں رازی بخت خان خانی۔ پنڈت چند رہمان برہمن اسکے معصروں میں
عالمگیر کے زمانہ میں ایکمرتبہ عاقل خاں رازی لاہور کا گورنر تھا یہ زمانہ ۱۰۸۰ھ کا تھا۔ عا
بیمار ہو گیا اطبا نے لاہور جانے کی صلاح دی۔ بادشاہ بیگمات سمیت لاہور آیا۔ زیب ال
بھی ساتھ ہی تھی جب وہ لاہور آئی تو علما و فضلا اور شعرا امڈ امڈ کر آنے لگے۔ شعر شاعری ا
علمی مباحثات کا بازار ہر روز گرم ہونے لگا شعرا داد سخن اور علما خیر و دعا حاصل کرنے لگے
زمانہ میں زیب النساء بیگم نے ایک باغ کی بنیاد ڈلوادی جسکی بچی کھچی عمارت چوبرجی کے نام
راجہ پونچھی کوٹھی کے متصل سڑک نواں کوٹ پر ابھی تک موجود ہے تعمیر کرنے کے بعد زیب ال
نے یہ باغ اپنی دایہ میہابائی کو بخشدیا تھا جو نہایت عالمہ فاضلہ اور عابدہ و زاہدہ خاتون تھی زیب الن
بیگم نے بعمر ۶۰ سال ۱۱۱۳ھ میں انتقال کیا۔ اس نے ساری عمر شادی نہیں کی اس لئے اسکے
علم و فضل اور اسکے نیک نام کے سوا اس کی کوئی یادگار نہیں ہے اس کی وصیت کے
موافق اسکو لاہور میں دفن کیا گیا جس سے وہ دہلی سے کم محبت نہ رکھتی تھی
زیب النسا کا مقبرہ جیسا دلفریب اور دلکش تھا اب اسی قدر ہولناک اور مہیب ہے
اس کے قبرستان اور باغ کے احاطہ میں اب ایک موضع (نواں کوٹ) آباد ہے۔ مقبرہ کی
عمارتیں اور باغ کی دیواریں کچھ تو باغی موضع (مہر محکم دین) نے تباہ کیں سنگ سرخ سنگ
مرمر کے جس قدر حوض۔ شہ نشین اور تعویذ اور فرش تھے وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے وزرا
کئے۔ شہنشاہ ہند کی اس لاڈلی بیٹی (امتیاز چہارم) فضل میں بھی صاحب کمال تھی
آج جس عبرت خیز حالت میں ہے کاش اس کا کچھ اثر ان لوگوں پر بھی پڑے
جو عالیشان مکانات تعمیر کرا رہے اور عیش و عشرت میں مست ہیں اور نہیں جانتے کہ ایک
دن ہمیں بھی ایسے ہی گوشہ تاریک میں آنا پڑیگا اور یہی حالت ہماری بھی ہو جائیگی جو آج زیب النسا
کی ہے بلکہ اس سے بھی بدتر اسلئے کہ زیب النساء کا نام اسکی قابلیت و لیاقت اور شہنشاہ
ہند کی علامہ بیٹی ہونے کی وجہ سے آفتاب عالمتاب کیطرح صبح محشر تک چمکے گا۔ تمت بالخیر۔